وہ فوراً بھاگی' پھر الٹے قدموں واپس آئی۔ فارس کے کان کے قریب جھک کر معصومیت سے پوچھا۔

''کیا جو ابھی اٹالین کے بارے میں ارادہ ظاہر کیا تھا' وہ واپس لے سکتی ہوں؟''

فارس نے صرف گھورا۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سوری' سوری کہتی اندر بھاگ گئی۔

جلدی جلدی تیار ہوئی۔ عینک اتار کر کانٹیکٹ لینز لگائے۔ (اف آنکھ میں ڈالے نہیں جاتے تھے۔ بار بار پھڑک کر باہر نکل آتے۔ ۹ل ڈالے کہ عادت نہ تھی۔ پھپھو کی شادی کے لیے خریدے تھے۔) ماتھے پہ کٹے بال چھوڑ کر باقی کے اطراف میں پن لگا کر کھلے رہنے ۔ نیا پرس اٹھایا جو تین ماہ قبل انگلینڈ سے واپسی پہ سارہ لائی تھی۔ باہر آئی۔ وارث اور سارہ آچکے تھے۔

وارث کی گاڑی کے قریب فارس اور وہ کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ فارس فکرمندی سے کہہ رہا تھا۔

''تم استعفیٰ نہیں دو گے۔ بھلے آج پہلی دفعہ ہی مانگا ہے' مگر مت دینا۔'' ساتھ ہی حنہ کی طرف چابی اچھالی۔ اس نے کیچ کی۔ فارس لی گاڑی تک آئی۔ فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ کر شیشہ کھول دیا۔ ان دونوں کی باتوں کی آواز پہنچنے لگی۔

''میں جس کیس کا آئی او ہوں' اس سے متعلقہ لوگوں کے تعلقات ہیں فاطمی سے۔ الیاس فاطمی' میرا باس۔ مجھے لگتا ہے وہ مجھے بیچ آیا ۔'' وارث کے چہرے پہ بظاہر سکون تھا' مگر وہ اضطراب چھپا رہا تھا۔

''تم کس کیس کے آئی او ہو؟''

''ظاہر ہے یہ میں نہیں بتا سکتا۔ یہ کلاسیفائیڈ انفارمیشن ہے۔''

''او کے.... مگر....'' ندرت' سعدی' سیم باہر آرہے تھے۔ فارس نے رک کر پریشانی سے وارث کو دیکھا۔ ''تم بس ابھی کچھ مت کرنا۔ ام ل اس بارے میں بات کریں گے۔ ابھی مجھے نکلنا ہے۔ مگر تم استعفیٰ نہیں دو گے۔ ٹھیک ہے نا وارث؟'' اس کو تنبیہہ کرتا وہ بار بار دہراتا اں گاڑی کی طرف آیا۔

وارث سر ہلا کر پھیکا سا مسکرایا اور گاڑی کی طرف مڑ گیا۔ فارس اندر بیٹھا' چابی گھمائی' کار ریورس کی۔ حنین نے دیکھا اس کا الجھا ہوا ہ بے حد فکرمند تھا۔ ایک لمحے کو اس نے ذہن میں دہرایا۔

''الیاس فاطمی.... الیاس فاطمی۔'' پھر علیشا سے ملنے کا خیال ذہن پہ چھاتا گیا۔ لب آپ ہی آپ مسکرانے لگے۔

وہ مگن سی ونڈ اسکرین دیکھنے لگی۔ سڑک کو کاٹتی سفید دھاریاں وقفے وقفے سے گاڑی تلے آکر غائب ہو جاتیں۔ اس نے گنا۔ تین' ین' تین' ایک' ٹوٹل دس اور پھر سے گنتی شروع۔

.....❖❖❖.....

بنے ہیں اہل ہوس مدعی بھی' منصف بھی ..... کسے وکیل کریں' کس سے منصفی چاہیں

سونیا کی دوسری سالگرہ کی دعوت قصر کاردار کے لان کی بجائے لونگ روم اور ملحقہ ڈائننگ روم' ڈرائنگ' سن روم وغیرہ میں ا لدی گئی تھی۔ سارے دروازے سلائیڈنگ تھے۔ دیواروں میں گھسا دیے گئے۔ گھر کا گراؤنڈ فلور کھلا سا کمرہ بن گیا۔ مہمان ادھر ادھر ل رہے تھے۔

شہرین داخلی دروازے پہ مسکرا مسکرا کر مہمانوں کو ریسیو کر رہی تھی۔ فرشی جامنی میکسی میں ملبوس' اپنا اضطراب چھپانے کی کوشش کرتی' ا ادھر ہاشم کو تلاش کرتی' پھر مصروف ہو جاتی۔

سیڑھیوں کے اوپر کمروں کے آگے بنی ریلنگ کے ساتھ سیاہ گاؤن میں ملبوس جواہرات کھڑی تھی۔ سرد' گہری مسکراہٹ کے ساتھ ا خاتون سے بات کر رہی تھی۔ بال سمیٹ کر بائیں کندھے پہ ڈالے تھے۔

دفعتاً ہاشم پیچھے سے چلتا آیا۔کوٹ کا بٹن کھلا تھا۔لب بھنچے ہوئے اور آنکھوں میں سختی تھی۔اس نے ''مجھے اپنی ماں چاہیے کچھ دیر کے لیے'' کہہ کر جواہرات کی کہنی تھامی اور اپنے ہمراہ آگے لے گیا۔وہ قدرے حیران' قدرے چونکتی ساتھ کھنچی چلی آئی۔

''ہاشم.....یہ.....''

''شش.....'' وہ اسے اسٹڈی میں لایا۔خاور پہلے سے موجود تھا۔جواہرات نے تشویش سے اس کے مقابل کھڑے اسے دیکھا۔

''تم ٹھیک ہو ہاشم؟''

''ابھی؟ بالکل نہیں۔'' بالوں میں ہاتھ پھیر کر' گہرے سانس لے کر خود کو ریلیکس کیا۔تکان سے ماں کو دیکھا۔

''ہم کس کے لیے منی لانڈرنگ کر رہے ہیں' وہ جانتے ہیں۔''

جواہرات کا سانس رک گیا۔''تمہارا باپ جانتا ہے؟''

''اگر وہ جانتے ہوتے تو کیا میں یہاں آپ کو زندہ کھڑا نظر آتا؟'' وہ تلخی سے اسے دیکھ کر بولا۔جواہرات کا سانس بحال ہوا۔

''نیب والے.....وہ ہماری کمپنیز کی تفتیش کر رہے تھے۔مگر ان کو ہماری دہشت گردوں کے گروپ کے لیے کی گئی منی لانڈرنگ کی معلومات مل گئیں۔کیس کے سربراہ نے کہا ہے کہ انویسٹی گیشن آفیسر سے استعفیٰ لے لے گا۔مگر معلوم ہے وہ کون ہے؟''

''کون؟'' وہ یک ٹک اسے دیکھتے بولی۔

''فارس کا سوتیلا بھائی وارث۔آگے آپ خود سمجھ سکتی ہیں کہ ڈیڈ تک میری اور آپ کی ان سرگرمیوں کو پہنچنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔''

جواہرات نڈھال سی ہو کر کرسی پہ گر گئی۔سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

''مسئلہ یہ ہے میم کہ وارث کا باس وہ کیس فائلز ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔'' خاور نے کہنا شروع کیا۔''وہ خود پہ کوئی آنچ نہیں آنے دے گا۔ہمیں وارث کو خود چیک کرنا ہوگا۔''

جواہرات نے سر اٹھا کر گلابی پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔

''تو تم نے اسی لیے اپنے باپ سے فارس کے بھائی کو فون کروایا تاکہ وہ پارٹی میں ضرور آئے؟ اور ابھی ابھی میں نے دیکھا وہ آیا بھی کھڑا ہے نیچے۔''

''ہم تین دن سے اس کو فالو کر رہے تھے میم! وہ ہاسٹل میں رہ رہا ہے۔بیوی اپنی ماں کے ساتھ ہوتی ہے۔اس کا لیپ ٹاپ' فائلز' سب ہاسٹل کے کمرے میں ہوتا ہے۔وہ ادھر ہے اور میں اس کے ہاسٹل جا رہا ہوں۔ہمیں چیک کرنا ہے کہ اس کے پاس کیا کیا ہے اور اس نے کس کس کو دکھایا ہے وہ سب۔''

''اور تم مجھے یہ سب اب بتا رہے ہو؟'' وہ پھٹ پڑی۔غصے سے دونوں کو دیکھا۔

''کیونکہ کل آپ انگلینڈ سے واپس آئی ہیں اور آپ ابھی مجھے نظر آئی ہیں۔''

جواہرات بپھر کر ہاشم کے سامنے کھڑی ہوئی اور غرائی۔''تم نے کہا تھا کچھ نہیں ہوگا۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔تم سب سنبھال لو گے۔تو پھر یہ سب کیا ہے؟''

''میں کوئی عادی مجرم نہیں ہوں۔دو سال بھی نہیں ہوئے مجھے یہ کام کرتے ہوئے۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اتنی جلدی نظروں میں آجاؤں گا۔''

مگر جواہرات نفی میں سر ہلاتی اس کو سنے بغیر مضطرب سی بولے جا رہی تھی۔

''ہاشم.... ہاشم....اس سب کو ختم کرو۔اس کا منہ بند کرو۔کچھ بھی کرو' مگر جلدی۔'' ایک سخت نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ باہر نکل گئی۔

ہاشم فوراً خاور کی طرف پلٹا۔

''اس کو بالکل بھی معلوم نہیں ہونا چاہیے کہ تم اس کے ہاسٹل گئے ہو۔اس کے جانے سے پہلے آ جانا۔کیونکہ اگر اسے کچھ علم ہوا تو وہ الٹا میں آ کر ایسی جنگ شروع کرے گا جو میں نہیں چاہتا۔''

''یس سر!'' خاور اس کے ساتھ باہر نکلا۔دونوں سیڑھیوں کے اوپر ریلنگ تک آئے۔ہاشم نے نیچے دیکھا۔داخلی حصے پہ شہرین سارہ مل رہی تھی۔ساتھ میں دو بچیاں بھی تھیں۔آٹھ سال کی جڑواں' کشمیری سیب جیسے گالوں والی' شرماشرما کر ماں کے پیچھے چھپتی۔ہاشم نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔گردن میں گلٹی سی ابھر کر معدوم ہوئی۔آہستہ سے بولا۔

''وارث کو ہرٹ مت کرنا خاور! اس کے بچے چھوٹے ہیں۔''

خاور اثبات میں سر ہلا کر سیڑھیاں اترنے لگا۔داخلی دروازے تک پہنچا تو وارث اندر آ رہا تھا۔اس نے خاور کو روکا۔وہ رکا' سانس بھی کو یا رک گیا۔

''میں سیل فون ساتھ لا سکتا ہوں؟ مجھے ضروری کالز کی فکر ہے۔'' موبائل کی طرف اشارہ کیا۔نپا تلا انداز' غور سے خاور کا چہرہ دیکھتا' آ گیا تھا' مگر کھنچا کھنچا سا تھا۔

''شیور سر!'' خاور سر کو خم دے کر آگے بڑھ گیا تھا۔

ہاشم گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرتا مسکراتا ہوا نیچے آیا۔وارث کو نظر انداز کیا۔وہ تب تک چھپتا تھا جب تک مقابل شک میں ہو۔اب حقیقت کھل جائے' وہ چھپا نہیں کرتا تھا۔اعتراف کر لیتا۔اسی لیے وارث سے کوئی بات نہیں کی۔سارہ کی طرف آیا۔وہ زمر کے ساتھ لگی تھی۔ازلی سادہ انداز میں کہتی۔

''ڈیڑھ ہفتہ رہ گیا ہے فنکشنز شروع ہونے میں۔آپ کیسا محسوس کر رہی ہو؟''

''بالکل بلینک۔'' زمر نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔وہ میرون لمبی قمیض پہ پھول دار دوپٹہ کندھے پہ ڈالے کھڑی تھی۔گھنگھریالے بال کھلے تھے۔ہاشم نے پشت سے اس کے بال دیکھے اور گھوم کر سامنے آیا۔

''ہیلو سارہ....اور ہیلو ڈی اے!''

زمر ذرا سا مڑی' مسکرائی' فرصت سے اسے دیکھا۔''تھینک یو ہاشم! بہت عرصے سے آپ نے مجھ سے کوئی فیور نہیں مانگا۔''

''بہت عرصے سے میرے کسی عزیز کو کرمنل Litigation کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔'' زمر نے سر جھٹک کر جوس کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔وہ سارہ کی طرف متوجہ ہوا۔

''آپ کب آئیں انگلینڈ سے؟''

''مجھے تین ماہ ہوئے ہیں ہاشم بھائی۔گھر وغیرہ لینے کے چکر میں سارا وقت گزر گیا۔جاب ابھی اسی ماہ سے شروع کی ہے۔'' وہ خوشگواری سے بتانے لگی۔

''تو گھر میں کب شفٹ ہونا ہے؟''

''بس اگلے ہفتے۔'' وہ خوش تھی۔''اب ہم ایک فیملی ہوں گے۔''

ہاشم نے مسکرا کر بچیوں کو دیکھا۔ایک کا گال نرمی سے چھوا۔''ان کے نام؟''

''اہل اور نور۔'' سارہ نے اپنے پیچھے چھپتی نور کو سامنے کرنا چاہا مگر وہ راضی نہ تھی۔ہاشم مسکرا کر رہ گیا۔پھر کچھ دیر بعد جواہرات کو ادھر

لے آیا۔

''زمر! یہ میری ممی ہیں اور یہ ہماری پبلک ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف۔'' جواہرات مسکرا کر گال سے گال ملا کر اس سے ملی۔ پھر علیحدہ ہو کر بھرپور اندر تک اترتی نظر ڈالی۔

''سعدی کی آنٹی.... ہوں۔''

پھر جواہرات کو ذرا فاصلے پہ کھڑے بڑے ابا سے ملوانے لے آیا۔ وارث ساتھ ہی کھڑا تھا۔ ہاشم بدستور اسے نظر انداز کرتا رہا۔ وہ اپنی عادت سے برخلاف نہیں جا سکتا تھا۔

.....❖❖❖.....

جائز تھی یا نہیں ' تیرے حق میں تھی ..... کرتا تھا جو کبھی وہ وکالت تمام شد

لفٹ ہوٹل کے مطلوبہ فلور پہ رکی۔ دروازے کھلے۔ پرجوش سی حنین اور منہ میں کچھ چباتا بے تاثر سا فارس باہر نکلے۔ آگے کمروں کی راہداری تھی۔ دونوں طرف دروازے' خوابیدہ بتیاں روشن تھیں۔ حنین نے بڑے پیار سے ساتھ چلتے فارس کو دیکھا۔

''تھینک یو ماموں! آپ مجھے میری بیسٹ فرینڈ سے ملوانے لائے۔''

''اٹس اوکے۔ تو کیا کرتی ہے تمہاری فرینڈ؟''

حنین چلتے چلتے رکی۔ قدرے چونک کر فارس کو دیکھا۔ ''سوری؟''

''مطلب پڑھتی ہے یا جاب وغیرہ؟'' وہ بھی ساتھ کھڑا ہو گیا۔ علیشا کے کمرے کا دروازہ چند قدم دور تھا۔

''پڑھائی تو چھوڑ دی۔ کالج نہیں جا سکی۔ ٹیوشن فیس افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ اب پتا نہیں کیا کرتی ہے۔''

''اور اس کے پیرنٹس کیا کرتے ہیں؟''

''مجھے نہیں پتا۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟'' وہ اب کے الجھی تھی۔

''تم نے راستے میں کہا تم اسے تین سال سے جانتی ہو' مگر تمہیں اس کی بنیادی معلومات ہی نہیں معلوم۔''

''میں نے کبھی پوچھی نہیں۔'' وہ دوبارہ چلنے لگے۔ مگر اب کے فارس مضطرب سا تھا اور حنین الجھی ہوئی تھی۔ روم کے باہر آ کر فارس نے کچھ سوچ کر اسے دیکھا۔

''میں اندر آنا چاہوں گا۔ مجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں تمہیں درست جگہ لایا ہوں یا نہیں۔''

''شیور!'' حنین نے قدرے ناخوشی سے کہتے ہوئے دستک دی۔ دروازہ جلد ہی کھلا اور کھلتا چلا گیا۔ سیاہ شولڈر کٹ بالوں اور سرمئی سبز آنکھوں والی گوری سی علیشا سامنے ہوئی۔ مسکراہٹ لبوں پہ پھوٹتی تھی۔ سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس تھی جس کے بازو کہنی تک تھے۔ کھلے سے۔ قدرے شرارت' قدرے شرماہٹ سے وہ حنین سے گلے ملی۔ الگ ہوئی۔ اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ حنین لب دبائے مسکرا رہی تھی۔

''تم بالکل اپنی ویڈیو جیسی ہو۔'' پھر اس نے فارس کو ہیلو کہا اور اندر آنے کی دعوت دی۔

''یہ میرے انکل۔'' حنین نے تعارف کروایا۔ پھر اندر آئے۔ فارس تیکھی نظروں سے علیشا کو دیکھتا' پھر ادھر ادھر دیکھتا صوفے پہ آ بیٹھا۔

حنین گرم جوشی سے بیٹھی اور باتیں کرنے لگی۔ ابھی راہداری کی گفتگو بھول گئی۔ فارس خاموشی سے بیٹھا ان دونوں کو تیز تیز انگریزی میں بولتے اور ہنستے دیکھنے لگا۔ رات کی مناسبت سے کمرے کی ساری زرد بتیاں روشن تھیں۔ علیشا نے اس دوران اٹھ کر روم سروس کال کی'

ا ر ا ر یا۔ واپس آ کر بیٹھی تو شائستگی سے فارس سے پوچھا۔

''اور آپ کیا کرتے ہیں؟''

''گورنمنٹ سیکٹر میں جاب۔'' وہ بغور اس کو دیکھتا بولا۔ ''اور آپ کی جاب کیا ہے؟''

علیشا ذرا ٹھٹکی۔ حنین کو دیکھا' پھر فارس کو اور بولی۔ ''میں نیشنل جیوگرافک کے لیے کام کرتی ہوں۔ ہم ایک ڈاکومنٹری بنانے ادھر آئے ہیں۔''

''اور نیشنل جیوگرافک نے آپ کو نوکری دے دی۔ حالانکہ آپ کبھی کالج نہیں گئیں؟''

علیشا نے چونک کر حنین کو دیکھا جس نے بے چینی سے پہلو بدلا تھا' پھر فارس کو۔ مسکراہٹ مدھم ہوئی۔

''اگر میں افورڈ کر سکتی تو ضرور کالج جاتی۔ مگر اس جاب کے لیے ڈگری سے زیادہ میری قابلیت اہم تھی۔''

''اور کیا ڈاکومنٹری بنا رہے ہیں آپ لوگ؟''

''ہم اس شہر کے تاریخی مقامات کو کور کریں گے۔'' وہ گردن اونچی کر کے مسکرا کر بولی۔ فارس نے ابرو اٹھا کر اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''اسلام آباد کے تاریخی مقامات کو؟''

''جی۔''

''ڈیئس گریٹ! کیونکہ مجھے اپنی زندگی کے تینتیس سالوں میں اسلام آباد میں کوئی تاریخی مقام ملا ہی نہیں۔ کیا آپ کو نیٹ جیو والوں نے نہیں بتایا کہ یہ شہر 60 کی دہائی میں بنایا گیا ایک مصنوعی شہر ہے؟''

علیشا نے تھوک نگلا۔ ''میرا مطلب تھا تاریخی اہمیت کی حامل عمارتیں' جیسے سپریم کورٹ' پارلیمنٹ' پرائم منسٹر ہاؤس وغیرہ۔''

''تو آپ کون سا کیمرہ استعمال کرتی ہیں؟ ہمیں اچھا لگے گا اگر آپ ہمیں اپنے کیمرے دکھائیں۔'' فارس نے ادھر ادھر دیکھا جیسے کچھ تلاشا ہو۔

حنین بالکل چپ سی ہو کر بیٹھی باری باری دونوں کا چہرہ دیکھتی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ گفتگو کس سمت جا رہی ہے۔

''میں.... دراصل کیمرہ ورک نہیں کرتی۔'' علیشا کی مسکراہٹ بالکل غائب تھی۔ وہ ذرا رکی اور پھر روانی سے بولتی گئی۔ ''میں کمپیوٹرز میں اچھی ہوں۔ مجھے مختلف کمپنیاں اپنی ویب سائٹس چیک کرنے کے لیے ہائر کرتی ہیں۔ یہ ایک فری لانس جاب ہے۔''

''یہ فقرے مجھے آپ کا پہلا سچ معلوم ہوئے ہیں۔'' فارس کے کہنے پہ اس کی رنگت پھیکی پڑتی گئی۔

''آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ میں یہ سب گھڑ رہی تھی؟''

''میں یہ کہہ رہا ہوں کہ جو آپ گھڑ رہی تھیں' اس میں بہت جھول ہیں۔''

حنین پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ علیشا اور فارس نے بے اختیار اسے دیکھا۔ ''بیٹھو پلیز۔''

''نہیں.... ہمیں پارٹی پہ جانا ہے۔ ہمیں دیر ہو رہی ہے۔ چلیں ماموں!'' اور پھر وہ علیشا کے اصرار پہ بھی نہیں رکی۔ علیشا نے ایک گفٹ پیک اس کے ساتھ کر دیا۔ اس نے کھولا بھی نہیں۔ لب بھینچے' تندی سے ابرو سکیڑے راہداری میں چلتی گئی۔

''وہ اچھی لڑکی ہے مگر وہ بہت کچھ چھپا رہی ہے۔ اور یہ نیٹ جیو والی کہانی بالکل...'' فارس سنجیدگی سے ساتھ چلتا کہہ رہا تھا کہ وہ طیش سے اس کی طرف گھومی۔

''تھینک یو سو مچ ماموں! میری بیسٹ فرینڈ کے ساتھ وہ کرنے کا جس کا آپ کو حق نہ تھا۔'' احساس توہین سے اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

''میں نے صرف چند سوال کیے تھے۔ مجھے حق ہے کہ میں تمہاری انٹرنیٹ فرینڈ کو چیک کر سکوں۔''

''کیا ایسے کیا جاتا ہے مہمانوں کے ساتھ؟ وہ کتنا ہرٹ ہوئی ہوگی۔ اس سے بہتر تھا کہ آپ مجھے لاتے ہی نہ۔''

''وہ جھوٹ بول رہی تھی اور میں اس کا جھوٹ پکڑ رہا تھا۔''

''کیا میں نے کبھی آپ کی باتیں پکڑ کر پھپھو کو بتایا کہ وہ نوز پن آپ نے ان کو بھیجی تھی؟''

شدت جذبات میں جو اس کے منہ میں آیا' بولتی چلی گئی اور احساس ہونے پہ....ایک دم چپ ہوئی۔ سانس تک رک گیا۔ فارس نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں تعجب' بے یقینی' حتیٰ کہ صدمہ بھی تھا۔ وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا جواب بظاہر خود کو سنبھالے کھڑی اندر سے ڈر رہی تھی۔

''تم کون ہو حنین؟''

❖❖❖

ہاں تلخی ایام ابھی اور بڑھے گی ..... ہاں اہل ستم مشق ستم کرتے رہیں گے

ہلکا ہلکا میوزک پس منظر میں بج رہا تھا۔ ہاشم گلاس پکڑے مسکراتا ہوا لونگ روم کے اس کونے میں آیا جہاں زرتاشہ کھڑی تھی۔ فون پہ بار بار نمبر ملا کر مایوسی سے بند کرتی' سیاہ ساڑھی میں ملبوس' سیاہ بال بالکل شہرین کے انداز میں کٹے' فون بند کرتے ہوئے گردن اٹھائی تو ہاشم کو سامنے کھڑا دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ اس کی آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں اور رنگت سنہری۔

''پریشان ہو؟''

زرتاشہ نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''فارس معلوم نہیں کدھر رہ گئے۔'' پھر قریب کھڑے سعدی کو پکارا۔ ''سعدی!''

وہ جو ہنستے ہوئے زمر سے کچھ کہہ رہا تھا' پلٹا اور تابعداری سے چلتا ادھر تک آیا۔ ''جی!''

''فارس؟''

''اوہ ہاں....وہ حنہ کو اس کی فرینڈ کی طرف لے گئے ہیں۔ امی نے منع بھی کیا مگر....'' تب ہی کسی نے سعدی کو پکارا۔ وہ مسکرا کر ہاشم بھائی کو دیکھتا واپس چلا گیا۔

''حنہ؟ اوہ....وہ سعدی کی چھوٹی چالاک بہن۔'' ہاشم کو یاد آیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے گہری نظروں سے زرتاشہ کے چہرے پہ چھاتا دبا دبا غصہ دیکھا۔

''یعنی فارس ایک دفعہ پھر کسی اہم موقع سے غائب ہے؟''

''گھر سے پارٹی کے لیے تیار ہو کر نکلے تھے۔ پھر پتا نہیں کیا ہوا۔ وہ ہر تقریب پر تو یوں نہیں کرتے۔''

''ہاں' وہ صرف اس تقریب پہ یوں کرتا ہے جہاں یہ ہوتی ہے۔'' دھیمے سے کہتے ہاشم نے ابرو سے اشارہ کیا۔ زرتاشہ نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ سعدی اور زمر جواہرات کے ساتھ کھڑے تھے۔ زرتاشہ نے الجھ کر واپس ہاشم کو دیکھا۔

''یہ تو سعدی کی پھپھو ہے۔''

''اور فارس کی پرانی ٹیچر بھی۔ کیا تم ہی نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ زمر کے والد نے جو تمہاری شادی کی دعوت کی تھی' اس سے بھی فارس تھوڑی دیر بعد غائب ہو گیا تھا۔ اور جب میں نے تم سب کو زمر سمیت انوائیٹ کرنا چاہا تھا' تو اس نے مجھ سے خود کہا کہ مجھے زمر کو نہیں بلوانا چاہیے' صرف گھر کے لوگ کافی ہیں۔''

''تو؟''

''اوہ! کیا تمہیں نہیں معلوم کہ فارس نے زمر کا رشتہ مانگا تھا مگر کسی وجہ سے انکار ہو گیا۔ سعدی نے ایک دفعہ ممی کو بتایا تھا۔'' ہاشم نے ا ا ے ثانے اچکائے۔ زرتاشہ حق دق سنتی رہی۔

''میں نے تو یہ کبھی نہیں سنا۔''

''تمہاری شادی کو ہوئے بھی کتنے دن ہیں؟ صرف پانچ ماہ!''

زرتاشہ نے گردن پوری موڑ کر زمر کو دیکھا۔ زمراب سارہ سے بات کر رہی تھی۔ نیم رخ دکھائی دیتا۔ گھنگھریالی لٹ گال پہ گرتی۔ ا ا ماتھا مسکراہٹ سے بھرپور۔ ہیرے کی لونگ اسی طرف تھی۔ زرتاشہ نے تندی اور غصے سے واپس رخ پھیرا۔

''او کے۔ مجھے تمہیں نہیں بتانا چاہیے تھا۔ مجھے یقین ہے ان دونوں کے درمیان اب کچھ نہیں ہے۔ یہ ایک پرانی بات تھی۔'' ذرا ا ا ے کر گلاس لبوں سے لگایا' پھر بولا۔ ''یہ ساڑھی اچھی ہے۔ کیا اسی ڈیزائنر کی ہے جہاں شہری تمہیں لے کر گئی تھی؟''

زرتاشہ کی آنکھوں میں اداسی چھائی۔ گردن دائیں سے بائیں ہلائی۔

''فارس نے کہا وہ افورڈ نہیں کر سکتے تو میں نے آرڈر کینسل کروا دیا۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟ پے منٹ شہری کے بل میں ہو جاتی۔ تم نے مجھے بتایا ہوتا۔''

''فارس کو اچھا نہ لگتا۔ رہنے دیں ہاشم بھائی۔'' وہ اداسی سے رخ موڑ گئی۔

اورنگزیب کا ردار گزرتے ہوئے سعدی کے پاس رکے (زمر کو دیکھا تک نہیں) صرف تنے ابرو سے اس سے سوال کیا۔ ''تمہاری بہن ''اں آئی؟'' چہرے پہ سختی اور سرد مہری تھی۔ سعدی فوراً سے وجہ بتانے لگا۔ وہ ''ہوں'' کر کے آگے بڑھ گئے۔ سعدی واپس آیا تو زمر سارہ سے بات کر ا ی تھی۔ وہ بور سا ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا' تب ہی داخلی دروازے سے جگہ چھوڑ کر آتی شہرین پہ نظر پڑی۔ اس نے بھی ایک تیز سخت نظر سعدی پہ ڈالی ا ا آگے بڑھ گئی۔ وہ خاموش رہا۔ نوشیرواں انگلینڈ ہی تھا۔ اگر وہ ہوتا تو شاید سعدی پارٹی میں نہ آتا۔

لاؤنج کے کونے میں خاموش کھڑے سب کو باریک بینی سے دیکھتے وارث کا موبائل بجا۔ اس نے فون نکالا اور پیغام دیکھا۔ سسٹم ان کا الرٹ آ رہا تھا۔ وارث اپنی جگہ منجمد ہو گیا۔ اس کا کمپیوٹر اس کے کمرے میں تھا اور اس کو پیغام بھیج کر بتا رہا تھا کہ کوئی اسے آن کر رہا ہے۔ ا ا کوئی اس کے کمرے میں تھا؟

اس کا چہرہ سفید پڑتا گیا۔ وہ سارہ کے قریب آیا۔ ہلکی سی سرگوشی کی۔

''میں ایک کال کرنے لان میں جا رہا ہوں۔ زیادہ دیر ہو جائے تو کہہ دینا کہ میں کہیں آگے پیچھے ہوں۔ اگر جلدی نہ آؤں تو فارس ''ہیں گھر لے جائے گا۔''

وہ حیران سی مڑی۔ سمجھ کر اچھا کہا اور وارث دھیمی رفتار سے چلتا نکل آیا۔ باہر آ کر اس کی رفتار تیز ہو گئی۔ دل میں عجیب سے خیالات ا ا رہے تھے۔

ڈائننگ ہال کے کونے میں کھڑے بظاہر کسی سے مسکرا کر بات کرتے ہاشم کو علم تک نہیں ہو سکا کہ وہ کب وہاں سے نکلا ہے۔ یہ ا ا رٹ اسے خاور دیا کرتا تھا' اور خاور نہیں تھا۔ نہ اس کی کوئی کال آئی تھی۔

ہاشم کا بمشکل چھپایا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔

❖❖❖

جینے کے فسانے رہنے دو' اب ان میں الجھ کر کیا لیں گے

ہوٹل کے ریسٹورنٹ ایریا میں زرد روشنیوں نے سحر انگیز سا فسوں طاری کر رکھا تھا۔ حنین اور فارس آمنے سامنے بیٹھے تھے' یوں کہ حنین

کا سر جھکا تھا۔ وہ گھر نہیں گئے' یہیں آ گئے تھے۔ اب اپنی زبان کی پھسلن پہ حنین شرمندہ تھی۔

''تمہیں کیسے پتا چلی نوز پن والی بات؟'' فارس نے سنجیدگی مگر نرمی سے پوچھا۔ حنین نے خفا خفا سا چہرہ اٹھایا۔

''آپ کی گاڑی میں دیکھی تھی۔ مجھے کیا پتا تھا کہ آپ وہ پھپھو کو 'یوں' بھیجیں گے۔''

''میں نے ''یوں'' نہیں بھیجی تھی۔'' فارس کے ماتھے پہ عادتاً بل پڑے۔ ''صاف بات کرتا ہوں۔ اس وقت مجھے لگا میری ان سے شادی ہو جائے گی اور وہ میری لکھائی پہچان جائیں گی۔ نام اس لیے نہیں لکھا کہ کوئی اور دیکھ کر غلط نہ سمجھ لے۔''

''پھر آپ نے زرتاشہ آنٹی سے شادی کیوں کر لی؟''

''کیونکہ تمہاری پھپھو سے رشتے کو انکار ہو گیا تھا۔ بات ختم۔ آپا کہہ رہی تھیں زرتاشہ سے کر لو' میں نے کر لی۔ میں اس شادی سے خوش ہوں۔''

''مگر میں خوش نہیں ہوں۔ مجھے غصہ ہے پھپھو پہ کہ انہوں نے انکار کیوں کیا؟''

''ان کی والدہ نے انکار کیا تھا۔ ان کو تو معلوم بھی نہیں ہو گا۔''

''میں نہیں مانتی۔''

''واٹ ایور حنہ۔ میں یہ صرف اس لیے بتا رہا ہوں کہ یہ بات اپنے ذہن سے نکال دو۔ میرا ان سے کوئی افیئر نہیں تھا۔ اب ان کی شادی ہو رہی ہے۔ کوئی بھی بات ہمارے منہ سے ایسی نہیں نکلنی جو ان کو ہرٹ کرے۔''

''اوکے۔'' حنین نے سر مزید جھکا لیا۔ فارس چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''ان کو کہنا یہ لونگ اب ان پہ سوٹ نہیں کرتی۔ اس کو اتار کر کوئی اور پہن لیں۔''

''میں نے کہا تھا' آپ کی شادی کے اگلے دن ہی کہا تھا مگر وہ کہتی ہیں مجھے اس کی عادت ہو گئی ہے اور میں تبدیلیوں کے ساتھ بہت دیر سے ایڈجسٹ کرتی ہوں' سو اسی کو پہنے رکھوں گی۔''

فارس نے سر ہلایا' پیچھے ہو کر بیٹھا' جوس کا گلاس لبوں سے لگایا اور مسکرایا۔ ''تم سے تو ڈرنا چاہیے حنین!''

ہلکا سا مسکرا کر حنین نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''اسی لیے آپ علیشا کی فکر نہ کریں۔ وہ کوئی جھوٹ نہیں بول رہی۔ اب ہم چلتے ہیں۔ پارٹی پہ بھی جانا چاہیے۔'' وہ اٹھ گئی تو فارس والٹ نکالتا کھڑا ہو گیا۔

.....❖❖❖.....

وہ آئیں تو سر مقتل' تماشا ہم بھی دیکھیں گے ..... یہ شب کی آخری ساعت گراں کیسی بھی ہو ہمدم

وارث غازی کے ہاسٹل کمرے میں اندھیرا تھا۔ خاور ہاتھوں پہ دستانے چڑھائے کرسی پہ بیٹھا غور سے اسکرین کو دیکھتا لیپ ٹاپ پہ ٹائپ کیے جا رہا تھا۔ یکے بعد دیگرے ڈاکومنٹس کھلتے جا رہے تھے۔ ڈاکومنٹس encrypted تھے۔ ان کے تالے توڑنے میں وقت لگا تھا اور ابھی تو بہت سا کام رہتا تھا۔ بار بار محتاط نظروں سے دروازے کو بھی دیکھتا جسے وہ اندر سے بند کر چکا تھا۔

یکا یک باہر جوتوں کی آواز آئی۔ خاور پھرتی سے اٹھا' لیپ ٹاپ آف کیا۔ جو کاپی کر رہا تھا' اس کی فلیش کھینچ لی۔ کھڑکی کی طرف آیا' پھر واپس مڑا۔ اونہوں۔ کھڑکی نہیں۔ وہ قد آدم الماری میں آ کھڑا ہوا۔ پٹ بند کر دیئے۔ تیار' چوکنا۔ ادھر کوئی الماری کھولتا' ادھر وہ اس پہ حملہ کرتا۔

چابی گھمانے کی آواز اسے سنائی دی۔ پھر دروازہ کھلا۔ ڈیم اٹ! یہ وارث ہو گا۔ ہاشم صاحب نے اسے کیوں نہیں بتایا کہ وہ پارٹی

نکل چکا ہے۔ اسے کوفت ہوئی۔

پٹ کی ذرا سی درز کھولے رکھی تھی۔ وارث اندر آیا' کوٹ صوفے پہ پھینکا' جلدی سے کھڑکی چیک کی' وہ اندر سے بند تھی۔ پھر لیپ ٹاپ کی طرف آیا۔ اس کی اسکرین اٹھائی۔ وہ بند تھا۔ وارث نے اس پہ ہاتھ رکھا۔ گرم تھا۔ یعنی کہ کوئی ادھر تھا۔

اس نے لیپ ٹاپ آن کیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ ساتھ ہی موبائل نکالا۔ کال ملا کر کان سے لگایا۔ خاور نے دروازے کو پکڑے ہلکے آگے ہو کر درز سے جھانکا۔ وارث کی اس کی طرف پشت تھی۔ وہ اتنا قریب تھا کہ خاور اس کے سانس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ اپنا سانس اس نے منہ پہ دوسرا ہاتھ رکھ کر گویا دبا رکھا تھا۔

''سر! میں جانتا ہوں آپ نے مجھے ہاشم کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔'' وارث غصے سے فون پہ کہہ رہا تھا۔ ''اس لیے اب آپ چاہیں تو مجھے معطل کر دیں' مگر وہ تمام ثبوت اور ریکارڈز میں ایک دوسری ایجنسی کو بھیج رہا ہوں۔ اب ہم دونوں یہ راز جاننے والے واحد بندے نہیں رہیں گے۔ اب ہاشم اور اس کی ماں کے خلاف انسداد دہشت گردی ایکٹ تلے تفتیش ہونے سے آپ نہیں روک سکتے۔ کیا آپ نے سنا جو میں نے کہا سر!''

اور غصے سے فون بند کر کے میز پہ ڈالا۔ وہ گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ غم' غصہ' بے بسی' اس کے وجود سے چھلکتی تھی۔ اب آریا یار' بس اب وہ جو کرے گا نا' ساری دنیا دیکھے گی۔

وہ ایک فیصلہ کر کے اب ای میل کھول رہا تھا۔ ای میل کا آپشن کلک کیا۔ فارس کا ایڈریس ڈالا۔ لب بھینچے' سوچتے ہوئے وہ اکومنٹس کھولنے لگا اسے کیا کیا بھیجنا تھا؟

خاور کی آنکھیں فکرمندی سے سکڑیں۔ اس نے فارس کے نام کے پہلے حروف پڑھ لیے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اس سب کا کیا مطلب ہے۔ بس ایک لمحہ لگا یا اس نے فیصلہ کرنے میں' اور آندھی طوفان کی طرح پٹ دھکیلے۔ وارث چونک کر پلٹنے لگا مگر اس سے پہلے ہی خاور نے بھتول اس کے سر کی پشت پہ دے مارا۔ وہ اوندھے منہ کمپیوٹر ٹیبل پہ جا گرا اور نیچے لڑھک گیا۔ لمحے بھر کو سارے میں سکوت چھا گیا۔

خاور جھکا اور اسے سیدھا کیا۔ اس کی بند آنکھیں کھلیں۔ وہ کراہا بھی تھا' خاور کو بھی دیکھا۔ آنکھوں میں شدید طیش چھلکنے لگا۔ اس نے خاور کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی۔

''تمہیں ہاشم نے بھیجا ہے نا۔'' مگر خاور نے سختی سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر مروڑے۔ اسے اوندھے منہ گرایا' کمر پہ گھٹنے سے دباؤ دے کر گرائے رکھا اور ہاتھ پیچھے کر کے پکڑے۔ بمشکل قابو کیے' جیب سے رسی نکالی جو وہ کسی بھی ایسے موقعے کے لیے ساتھ لایا تھا۔ ہاتھ باندھے۔ وارث کی آنکھیں سر میں اٹھتے درد کی ٹیسوں کی شدت سے بند ہوئے جا رہی تھیں مگر وہ خود کو ہوش میں رکھنے اور مزاحمت کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ٹانگ موڑ کر خاور کو دھکیلنا چاہا مگر خاور اس سے زیادہ مضبوط اور ٹرینڈ تھا۔ اس نے سختی سے اسے نیچے دبائے رکھا اور اس کی ایڑیاں ایک ساتھ باندھ دیں۔ پھر کھڑا ہوا' کپڑے جھاڑے' بوٹ وارث کی کمر پہ رکھ کر اسے کروٹ لینے سے روکے' اس نے موبائل نکالا۔

ہاشم ابھی تک مسکرا کر وہیں کھڑا کسی سے بات کر رہا تھا۔ جب موبائل بجا' اس نے خاور کا نام دیکھا' مسکراہٹ سمٹی۔ وہ معذرت کرتا تیزی سے اوپر آیا۔ کمرے میں آ کر دروازہ بند کیا اور موبائل کان سے لگایا۔

''ہاں بولو!''

''آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا کہ وہ وہاں سے نکل چکا ہے۔''

''وہ یہاں سے نکل چکا ہے؟'' ہاشم نے بے یقینی سے دہرایا۔

''وہ میرے سر پہ آ گیا۔ مجھے اس کو زیر کرنا پڑا۔ وہ فارس کو سارے ڈاکومنٹس ای میل کر رہا تھا۔''

''کیا بکواس کر رہے ہو؟ اس نے تمہیں دیکھ لیا؟'' ہاشم دبا دبا سا غرایا۔ چہرہ سفید پڑا تھا۔

''آپ نے یہ فائلز نہیں دیکھی ہیں۔اس کے پاس سب ثبوت ہیں' گواہ ہیں' ریکارڈز ہیں۔آپ کے سائن شدہ کاغذات۔اور اگر میں اس کو نہ روکتا تو وہ یہ سب فارس کو بھیج دیتا۔''

''لعنت ہے تمہارے اوپر خاور! ایک کام تم ڈھنگ سے نہیں کر سکے۔'' ہاشم کمرے میں چکراتا' غصے سے کہہ رہا تھا۔

وارث نے نقاہت سے گردن موڑی' حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

''ہاشم سے کہو وہ حساب دے گا۔''

خاور نے کوفت اور غصے میں زور سے اس کی پسلی پہ بوٹ کی ٹھوکر ماری۔وہ ہلکا سا مسکرایا۔

''اب بتائیے میرے لیے کیا حکم ہے؟ اس کا قصہ ختم ہو جائے تو کوئی ثبوت باقی نہیں رہے گا۔''

''نہیں ہرگز نہیں۔'' وہ بے چینی سے بولا۔چہرے پہ پسینہ آ رہا تھا۔پیشانی پہ ہاتھ رکھے وہ بیڈ کے کنارے بیٹھتا گیا۔اردگرد گویا دھماکے ہو رہے تھے۔

''سر؟ جلدی بتائیں کیا کروں؟''

''ٹھہرو۔مجھے چند لمحے دو۔چند لمحے خاور۔'' اڑی رنگت اور ویران آنکھوں سے کہتے ہوئے ہاشم نے موبائل کان سے لگائے دروازہ کھولا۔ریلنگ کے اوپر کھڑے ہو کر دیکھا۔

لاؤنج کے وسط میں سارہ کی بیٹیاں کھڑی تھیں۔سارہ زمین پہ جھک کر ان میں سے ایک کے جوتے کا اسٹریپ بند کر رہی تھی' ساتھ ہی نرم خفگی سے اس کو کچھ کہہ رہی تھی۔یقیناً کوئی ایسی بات جو بچپن میں اس کی ماں اس سے کہا کرتی تھی۔'' کھلے تسمہ کے جوتوں سے نہیں بھاگو۔تسمہ جوتے تلے آیا تو اوندھے منہ گرو گے۔''

وہ یک ٹک' کمزور' نقاہت زدہ سا ان دو معصوم بچیوں کو دیکھتا رہا۔گردن خود بخود نفی میں ہلی۔کیا وہ ایسا کر سکتا تھا؟ کیا اس کے پاس یہ سب کرنے کی وجہ ان کی معصومیت سے بھی عظیم تھی؟

اس کی نگاہیں ان سے گزر کر فاصلے پہ کھڑے اورنگزیب کاردار پہ گئیں اور پھر ان ہی پہ ٹھہر گئیں۔وہ ایک سیاست دان دوست کے ساتھ کھڑے ہنس کر کچھ کہہ رہے تھے۔وہ خوش تھے یا سیاست کی ریہرسل کر رہے تھے۔نیا کیریئر' نیا جواء۔کیا وہ اس موقع پہ ان کا کوئی اسکینڈل شائع ہونا افورڈ کر سکتا تھا؟ کوئی افیئر ہوتا' کوئی ناجائز اولاد' تو بھی چل جاتا۔مگر قبائلی علاقوں کے دہشت گردوں سے تعلقات؟ کبھی بھی نہیں۔

ہاشم واپس کمرے میں آیا۔فون ابھی تک کان سے لگا تھا۔خاور منتظر تھا۔ہاشم نے خود کو کہتے سنا۔

''خاور! اسے خودکشی لگنا چاہیے۔'' اور موبائل بیڈ پہ پھینک دیا۔کوٹ بھی اتار کر ساتھ ہی ڈالا۔

خاور نے حکم سن کر آنکھیں بند کیں' پھر چند گہرے سانس لیے۔آنکھیں کھولیں۔بوٹ وارث کی کمر سے ہٹایا۔جھک کر اسے اٹھایا۔وہ نیم جاں سا بمشکل کھڑا ہو پایا۔آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں اور وہ ان کو کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''تم۔کیا چاہتے۔'' خاور نے جیب سے رومال نکال کر اس کے منہ میں ٹھونسا۔میز قریب کی اور وارث کو اس پہ بٹھایا۔پھر گردن اٹھا کر پنکھے کو دیکھا۔

.....❖❖❖.....

اپنے کمرے میں چلتے ہاشم کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔وہ باتھ روم تک آیا۔چوکھٹ کو ہاتھ سے تھام لیا۔آنکھیں بند کیں۔کرب' درد' دم گھٹنے کی کیفیت۔وہ چند لمحے یونہی کھڑا رہا۔

.....❖❖❖.....

خاور نے بستر کی چادریں اکٹھی کیں۔ گرہیں لگائیں۔ پنکھے کے گرد پھندا سا لٹکایا۔ وارث اس دوران بمشکل میز پہ بیٹھا تھا' یوں کہ گردن بائیں طرف بار بار لڑھکتی اور وہ بار بار اس کو سیدھا کرتا۔ سر کی چوٹ اس زاویے سے لگائی گئی تھی کہ اس کی ساری مزاحمت دم توڑ گئی تھی۔ خاور نے اسے کندھوں سے پکڑ کر اوپر کھینچا' مگر وہ اپنا پورا زور لگانے لگا۔ خاور نچلا ہونٹ دانتوں سے دبائے مزید قوت سے کھینچنے لگا۔ وارث کا سر اوپر ہوا' آنکھوں کے سامنے پھندا لہرایا۔ اس نے بے یقینی سے خاور کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں خوف نہیں تھا۔ صرف بے یقینی تھی۔ اور شاید دکھ بھی اور صدمہ بھی۔

.....❖❖❖.....

ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ باتھ روم کا دروازہ دھکیلا۔ اندر قدم رکھے۔ گرمائش بڑھی تو خودکار بتیاں خود بخود جل اٹھیں۔ پورا باتھ روم روشن ہو گیا۔

واش بیسن کی جگہ کھلی تھی۔ دو سنک لگے تھے۔ اوپر دیوار گیر شیشہ۔ وہ چوکھٹ چھوڑ کر سلیب تک آیا۔ دونوں ہاتھوں سے اسے تھاما' اور تھامے تھامے جھک گیا' جیسے کوئی الٹی کرتے وقت جھکتا ہے۔

.....❖❖❖.....

خاور نے اسے کھڑا کر لیا تھا۔ اس کی گردن کے گرد پھندا کستے ہوئے کافی دقت ہوئی کہ وہ مزاحمت کر رہا تھا' خود کو چھڑانے کی کوشش۔ ایک آخری کوشش۔ آخری امید' اوہ۔ زندگی کتنی عزیز ہوتی ہے۔ مگر پھندا کس گیا۔ پکا' زور کا۔ خاور نیچے اترا' ایک طویل اور ٹھنڈی سانس اندر اتاری جو ہڈیوں تک میں گھس گئی' اور پھر۔ زور سے میز کو ٹھوکر ماری۔

.....❖❖❖.....

ہاشم نے آنکھیں اٹھا کر آئینے میں دیکھا۔ وہ سرخ انگارہ ہو رہی تھیں۔ وہ جھکا' نل تلے ہاتھ لے گیا۔ پانی کی دھار ابلی۔ ہاتھوں کے کٹورے میں جھیل جمع کی' اسے منہ پہ پھینکا۔ آنکھیں بند کیں۔ بوندیں چہرے سے لڑھکتی گردن پہ ٹپکنے لگیں۔ شرٹ' کف' سب گیلے ہو گئے۔

خاور ٹھوکر مار کر پیچھے ہٹا۔ وارث نے سر ادھر ادھر مارتے خود کو چھڑانے کی کوشش کی' چند ایک جھٹکے اور۔ سانس حلق میں آ پہنچا۔ زندگی کی ڈوری ٹوٹ گئی۔ پنکھے کے پھندے سے جھولتی لاش ساکت ہو گئی۔

خاور نے اس کے ہاتھ کھولے' جلدی جلدی پیر بھی علیحدہ کیے۔ رسی کو پلاسٹک بیگ میں احتیاط سے ڈالا۔ منہ میں ٹھونسا کپڑا نکال کر اسے بیگ میں ڈالا' اسے سیل کیا۔ اور اس کے کاغذات' لیپ ٹاپ وغیرہ سمیٹنے لگا۔

.....❖❖❖.....

ہاشم سیدھا ہوا۔ تولیے سے چہرہ تھپتھپایا۔ بال دوبارہ برش کیے اور کوٹ سیدھا کرتا باہر نکل آیا۔ البتہ اس کے چہرے کا رنگ سفید تھا' پٹیوں میں لپٹی بے جان ممی جیسا سفید اور پژمردہ۔ آنکھیں گلابی تھیں۔ سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آیا۔ سارہ اور بچیوں کے قریب سے گزر گیا' نگاہ ملائے بغیر۔

خاور کی واپسی تک پارٹی جاری تھی۔ خاور پہنچ گیا اور اسے ترچھی نظروں سے دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ ہاشم نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔ خاور کنٹرول روم کی طرف چلا گیا۔ وہ وہیں کھڑا رہا۔ اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ جڑ رہا تھا۔

فارس اور حنین وہاں پہنچ گئے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ حنین آ کر سعدی کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ زمر نے نرمی سے اسے مخاطب کیا۔

''حنین! تمہاری دوست سے ملاقات ہو گئی؟'' حنین نے ایک خفا خفا سی نظر دور زرتاشہ سے کچھ کہتے فارس پہ ڈالی اور ''جی'' کہہ کر

دوسری طرف دیکھنے لگی۔ زمر خاموش ہوگئی۔ وہ اس کھنچے کھنچے رویے کی عادی تھی' پھر بھی۔

زرتاشہ تندی سے فارس کو دیکھ رہی تھی۔

''عین پارٹی والے دن ہی حنین کو کہیں جانا تھا اور آپ کو ہی لے جانا تھا؟'' وہ دبے دبے غصے سے فارس کو دیکھ کر بولی۔

''یہ پارٹیز تو ہر ہفتے ہوتی ہیں۔'' اس نے حسب عادت شانے اچکائے۔ ادھر ادھر دیکھا۔ حنین ذرا دور تھی' زمر ساتھ تھی۔ اس لیے نگاہیں پھیر لیں۔

''اور آپ صرف ان ہی پارٹیز کو کیوں اٹینڈ نہیں کرتے جن میں پراسیکیوٹر صاحبہ ہوتی ہیں۔''

فارس نے بری طرح چونک کر اسے دیکھا' پھر بے اختیار حنین کی طرف (کہیں حنہ نے اس سے بھی تو کچھ نہیں کہہ دیا؟) پھر ذرا غصے سے زرتاشہ کو۔ ''کیا مطلب ہے اس فضول بات کا؟''

''آپ نے اس کا رشتہ مانگا تھا' نہیں ملا۔ پھر بھی آپ کے دل میں کیا ہے جو آپ اس سے اعراض برتتے ہیں؟'' فارس کے ابرو ناگواری سے سکڑے۔

''میں نے اس کا رشتہ؟ یہ کس نے کہا تم سے ہاں؟''

''آپ نے نہیں بتایا تو کیا۔ کوئی اور نہیں بتا سکتا؟''

''تم سے کس نے کہا ہے؟'' وہ سختی اور طیش سے دبا دبا سا غرایا۔ زرتاشہ ذرا دھیمی ہوئی۔ شوہر کے موڈ کے اتار چڑھاؤ۔ اف۔

''ہاشم بھائی نے بس اتنا....''

فارس سنے بغیر پلٹا اور تیز تیز قدم اٹھاتا اندر گیا' ڈائننگ ہال کی چوکھٹ عبور کر کے دائیں بائیں دیکھا۔ غصے سے کنپٹی کی رگ ابھر آئی تھی۔

دائیں طرف ہاشم پشت کیے کھڑا کسی خاتون سے بات کر رہا تھا۔ فارس تیزی سے اوپر آیا۔ قریب آ کر اس کو مخاطب کیا۔ ''خاتون ا دو منٹ دیں' مجھے بات کرنی ہے۔''

ساتھ ہی سخت نظر ہاشم پہ ڈالی۔ خاتون تو فوراً ہٹ گئیں مگر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیا ہوا؟''

''تمہیں لگتا ہے مجھے پتا نہیں چلے گا کہ تم کیا کرتے پھرتے ہو میری پیٹھ پیچھے؟'' ہاشم کے حلق میں کچھ اٹکا۔ ویران نگاہوں سے فارس کو دیکھا۔ گلاس پکڑے ہاتھ پہ نمی ابھری۔ اسے کیسے پتا چلا؟

''میں واقعی نہیں سمجھا۔''

''میرے بارے میں میری بیوی سے بکواس مت کیا کرو ہاشم!'' وہ جتنے غصے سے بولا' ہاشم کے تنے اعصاب اتنی تیزی سے ڈھیلے ہوئے' رکا سانس بحال ہوا۔ (اوہ تو یہ بات ہے)

''میں اب تک نظر انداز کرتا آیا ہوں جو ہر وقت تم اسے میری اور اپنی مالی حیثیت کا فرق جتاتے رہتے ہو۔ کبھی میری کسی بات کو نشانہ تنقید بنانا کبھی کسی کو' مگر اس سے میرا گھر ڈسٹرب ہو رہا ہے۔ آئندہ۔'' انگلی اٹھا کر تنبیہہ کی۔ ''آئندہ میری بیوی سے دور رہنا ورنہ میں بہت برا پیش آؤں گا۔''

کہہ کر وہ مڑ گیا۔ ہاشم خلاف معمول خاموشی مگر سکون سے اسے جاتے دیکھتا رہا' پھر واپس پلٹ گیا۔ اندر کا سارا اضطراب چھپائے۔

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ

تم قتل کرو ہو یا کرامات کرو ہو....

اگلی فجر ابھی تاریک تھی جب جواہرات کی آنکھ کھلی۔ وہ سیدھی اٹھ بیٹھی۔ گردن موڑ کر دیکھا۔ اورنگزیب کروٹ لیے سو رہے تھے۔ دونوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ اس نے تلخی سے سر جھٹکا' جھک کر سلیپر پہنے اور کھڑکی تک گئی۔ باہر سیاہی تھی۔ روشنی سے ذرا پہلے کا اندھیرا۔ عجیب گھٹن تھی فضا میں جیسے کوئی تعفن زدہ لاش کسی نے بیچ چوراہے پہ رکھی ہو اور اس کی بو نتھنوں میں گھس رہی ہو۔ جواہرات کی خوبصورت آنکھوں میں ناگواری ابھری۔ گاؤن پہنا اور ڈوری کو گرہ لگاتی باہر نکل آئی۔

لاؤنج تاریک تھا۔ بتیاں آٹومیٹک تھیں۔ وہ جس جگہ داخل ہوتی وہاں بتی جل اٹھتی۔ اس نے لاؤنج میں قدم رکھے' بتیاں جلتی گئیں۔ وہ ڈائننگ ہال تک آئی۔ آگے نکل گئی۔ بتیاں ساتھ ساتھ بجھتی گئیں' اگلی جلتی گئیں۔ ڈائننگ ہال سے پرے ایک اور راہداری تھی۔ اس کے آگے ایک کمرے کا دروازہ بند تھا۔ نیچے درز سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ کنٹرول روم تھا۔ جواہرات اچنبھے سے رکی' آہستہ سے قریب آئی۔ ساؤنڈ پروف دروازوں سے سننا ناممکن تھا۔ اس نے ہینڈل پکڑ کر گھمایا۔ دروازہ کھلتا گیا۔ ہاشم مضطرب سا ٹہلتا غصے سے کچھ کہہ رہا تھا اور خاور سامنے کھڑا سر جھکائے سن رہا تھا۔

''میں نے کیا بکواس کی تھی؟ اس کو خودکشی لگنا۔'' ماں کو دیکھ کر وہ رکا مگر تاثرات نہیں بدلے۔ قریب آیا۔ کہنی سے پکڑ کر حیران و پریشان جواہرات کو اندر کیا۔ دروازہ بند کر کے لاک کیا۔ کرسی کھینچ کر کہا بیٹھیں۔

وہ نہیں بیٹھی۔ سنگینی محسوس کر کے بے چینی سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ ''ہاشم! کچھ غلط ہے' ہے نا؟''

''ہمارے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں تھا۔ وارث واحد شخص تھا جس کے پاس ہمارے خلاف ثبوت تھے۔ میں نے خاور کو او کے کر دیا۔ خاور نے اسے مار دیا ہے۔ اور یہ رہے سارے ڈاکومنٹس' اس کی فائلز' اس کا لیپ ٹاپ۔'' اشارہ کیا ان پرزوں کی طرف۔

جواہرات بے دم سی ہو کر کرسی پہ گر گئی۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ خاور تفصیلات بتاتا رہا۔ آخر میں اس نے جھکے سر کو اٹھایا۔ گلابی پڑتی آنکھوں سے ہاشم کو دیکھا۔

''کیا اس کی جان لینا ضروری تھا؟ کیا اب ہم قاتل بھی ہو گئے ہیں؟''

''اپنے خاندان کی حفاظت کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکتا ہوں میں۔ بہرحال اب یہ سوچنا ہے کہ آگے کیا کرنا ہے؟''

''کیا مطلب؟ اس نے خودکشی کر لی' بات ختم۔ ثبوت ہمارے پاس ہیں۔'' اس کی حیرانی پر ہاشم نے گھور کر خاور کو دیکھا۔ اس نے سر جھکا لیا۔

''خودکشی کب لگے گی وہ۔ اس نے اس کے ہاتھ باندھے۔ اس کے سر پر چوٹ لگائی۔ کمر پہ جو تا رکھا۔ مزاحمت کے سارے رائی جیسے نشان پوسٹ مارٹم رپورٹ میں پہاڑ بن کر نظر آئیں گے۔ تفتیشی افسر' پوسٹ مارٹم کرنے والے ڈاکٹر اور کتنوں کا منہ بند کرنا پڑے گا۔ یہ خودکشی نہیں لگے گی۔'' جواہرات اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے چینی سے پھرتی رہی۔ پھر چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

''تو ٹھیک ہے۔ یہ قتل بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکو آئے' سامان لوٹا اور بندے کو مار دیا۔'' اس نے چیزوں کی طرف اشارہ کیا جو خاور ساتھ لایا تھا۔

''آسان نہیں ہوگا۔ فارس کبھی بھی اتنے پہ نہیں بیٹھے گا۔'' ہاشم بے چینی سے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ سب خراب ہوتا نظر آ رہا تھا۔

''ہاشم! ڈونٹ وری۔ تم قتل کے وقت پارٹی میں تھے۔ تمہارے پاس alibi (ایلی بائی) ہے۔'' جواہرات اپنی بات پہ خود ہی چونکی۔ ہاشم نے بھی چونک کر اسے دیکھا۔ خاور نے بھی بے اختیار سر اٹھایا۔

''ایلی بائی!'' ہاشم کسی سوچ میں بھٹک گیا۔ (یعنی کسی شخص کا جرم کے وقت کسی دوسری جگہ پہ موجودگی کی شہادت ہونا)

''مگر۔'' جواہرات تیزی سے اس کے قریب آئی۔ اس کی آنکھیں امید سے چمکنے لگیں۔ ''فارس پارٹی میں نہیں تھا۔ وہ وارث کی واپسی کے بعد ہی آیا۔ اس دوران وہ جا کر قتل کر سکتا ہے اور واپس آ سکتا ہے۔ خاور کے یہاں ہونے کے گواہ ہم دونوں ہوں گے اور ہاشم کی گواہی تو سارے مہمان دیں گے۔''

''فارس...'' وہ سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ ''فارس پارٹی میں نہیں تھا۔ فارس سوتیلا بھائی ہے۔ فارس قاتل ہو سکتا ہے۔''

''ہمیں یہ سب فارس پہ پلانٹ کرنا ہے۔'' جواہرات نے آگے آ کر دائیں بائیں ترتیب سے لگی چیزوں کو دیکھا۔ رسیاں پلاسٹک بیگ میں تھیں۔ ''اس پہ وارث کا ڈی این اے ہوگا۔ یہ سب اگر پولیس کو فارس کے گھر سے ملے تو اسے اپنی پڑ جائے گی۔ وہ کیس کے پیچھے ہی نہیں پڑے گا۔''

ہاشم تذبذب سے سنتا رہا جو اسے اس کی ماں چمکتی آنکھوں کے ساتھ بتا رہی تھی۔

.....❖❖❖.....

کہیں ہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا سراغ ..... نہ دست و ناخن قاتل نہ آستین پہ داغ

فجر قضا ہو چکی تھی۔ صبح طلوع ہونے لگی۔ فارس چابی انگلی میں گھماتا ہوا ہاسٹل کی عمارت کے احاطے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ منہ میں گم چباتے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ آج اتوار کی صبح تھی۔ خاموشی چھوئی تھی۔ وہ چلتا گیا چلتا گیا' پھر برآمدے میں رکا۔ وارث کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک دفعہ' دو دفعہ' سہ بار۔

پھر موبائل نکالا۔ کال ملائی۔ فون آف تھا۔ اس نے پھر ملایا۔ ساتھ والے کمرے سے ایک آفیسر نکل رہا تھا۔ فارس نے اسے روکا۔ وارث کا پوچھا۔ وہ فارس کو جانتا تھا۔

''ہاں وہ اندر ہوگا۔ رات کو آ گیا تھا۔ پھر باہر نہیں نکلا۔'' فارس نے اب کے ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ نوجوان بھی ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔ چند لمحے وہ کھڑے رہے۔

''وارث۔ وارث۔ دروازہ کھولو۔'' وہ قدرے فکرمندی سے دروازہ دھڑ دھڑانے لگا۔ آہستہ آہستہ دو چار مزید لوگ اکٹھے ہو گئے۔ فارس نے سارہ کو کال کی۔

''سارہ! وارث کہاں ہے؟'' اسے اپنی آواز گھبرائی ہوئی سنائی دے رہی تھی۔

''میری بات نہیں ہوئی رات سے۔ ابھی اٹھی ہوں۔ کال کرنے لگی تھی۔ آج ہم نے۔'' فارس نے بات سنے بغیر فون جیب میں ڈالا اور زور زور سے دروازہ کو ٹھوکریں مارنے لگا۔ دو آدمی آگے بڑھے۔ زور سے دروازے کو ٹھوکریں ماریں۔ لوگ ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ تماشا سا لگ گیا۔

تیسرے منٹ میں دروازے کا لاک ٹوٹا اور وہ اڑتا ہوا دوسری طرف جا لگا۔ پوری قوت سے فارس اندر گرتے گرتے بچا۔ پھر سیدھا ہوا' گردن اٹھائی۔ تب اسے لگا وہ کبھی اپنے پیروں پہ کھڑا نہیں ہو سکے گا۔

پنکھے کے ساتھ وارث کی لاش جھول رہی تھی۔ اس نے چیخ و پکار سنی مگر کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے بھاگ کر سب سے پہلے وارث کے پیر پکڑ کر ذرا اٹھائے۔ گردن کی رسی ڈھیلی ہوئی۔ مگر وہ محسوس کر سکتا تھا یہ ٹانگیں بہت سرد تھیں۔ بے جان۔ فارس پیچھے ہٹا۔ ہاتھوں کو پھیلائے سب کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

''کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ سب پیچھے۔''

اس کا رنگ سفید پڑ رہا تھا اور وہ اندر داخل ہونے سے سب کو روک رہا تھا۔ سارہ کا فون ابھی تک ہولڈ تھا۔ اسے بہت سے لوگوں کو

لم ا بی تھی۔ کیسے' وہ نہیں جانتا تھا۔

بس جانتا تھا تو ایک ہی بات.....اسے اپنے جسم سے جان سی نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔

سب ختم ہو گیا تھا۔

کب اشکوں سے جڑ سکتا ہے

جو ٹوٹ گیا سو چھوٹ گیا

تین دن بعد۔

سارہ کی والدہ کے گھر میں سوگواری چھائی ہوئی تھی۔ وارث کے جنازے کو آج تیسرا دن گزر چکا تھا مگر وہاں پھیلی نادیدہ کافور کی مہک اور میت کے گھر کی ویرانی برقرار تھی۔ سعدی اندر داخل ہوا تو باہر برآمدے کی ایک کرسی پہ پیر اوپر رکھے حنین بیٹھی تھی۔ گال ہتھیلی پہ جمائے ں غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔ آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی کے دل کو کچھ ہوا۔ وہ قریب آیا۔

وہ ہنوز سامنے دیکھتی رہی۔ آنسو گرتے رہے۔

''بھائی! وہ ماموں تھے فورگرانٹڈ۔ پیار کرتے تھے' خیال رکھتے تھے۔ سب فورگرانٹڈ تھا۔ ہمارا حق۔ اچھے لگتے تھے۔ عزت کرتی تھی میں ان کی' ٹھیک ہے بات ختم مگر.....تین دن سے میں خود حیران ہوں۔ مجھے آج پتا چلا ہے کہ میں تو ماموں سے بہت محبت کرتی تھی۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں ان کو اتنا مس کروں گی۔ میرا دل ایسے دکھے گا۔ مجھے تو کبھی پتا ہی نہیں تھا بھائی۔ مجھے اٹھتے بیٹھتے ماموں کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ سوتے وقت آخری خیال۔ جاگتے وقت پہلا خیال۔ وارث ماموں۔ بس۔'' اس نے بھیگی اجنبی نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ ''بس ایک دن چاہیے۔ صرف ایک دفعہ مجھے ماموں سے دوبارہ ملنا ہے اور ان کو بتانا ہے کہ میں ان سے کتنی محبت کرتی ہوں۔ صرف ایک گھنٹے کے لیے۔ بھائی کیا ہم صرف ایک گھنٹے کے لیے بھی اپنی زندگیوں کو ریورس نہیں کر سکتے۔''

وہ خاموشی سے دیکھتا رہا پھر اٹھ گیا۔ دل ایسے اجڑا تھا کہ لگتا تھا آگے کچھ باقی ہی نہیں رہا دنیا میں۔

وہ اندر آیا۔ کچن میں ندرت کرسی پہ بیٹھی تھیں۔ ذکیہ بیگم دور بیٹھی آنسو پونچھتی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ سعدی آ کر ماں کے ساتھ کھڑا ہوا' کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ندرت نے سر اٹھا کر سرخ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ارد گرد بھری رشتہ دار خواتین کو یکسر نظر انداز کیے اس سے پوچھا۔

''سعدی! لوگ اس ترتیب سے کیوں نہیں مرتے جس سے وہ پیدا ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹے پہلے کیوں مر جاتے ہیں؟ کیسے واپس لاؤں میں اسے؟''

سعدی کا دل بھر آیا۔ اس نے ماں کے کندھے سے ہاتھ اٹھایا اور مڑ گیا۔

اندر ایک کمرے میں بیڈ پہ سارہ بیٹھی تھی۔ اس کی سعدی کی طرف پشت تھی۔ اس کی ہمت نہیں ہوئی۔ چوکھٹ پہ رک گیا' پھر دیکھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل کے ساتھ وارث کی بیٹیاں کھڑی تھیں۔ امل چپکے چپکے کہہ رہی تھی۔

''میرے بابا چلے گئے' اب میں اپنے بابا کو کیسے بلاؤں گی؟ اب مجھے ناشتا کون کرائے گا؟''

نور فرش پہ چوکڑی مار کر کہنیاں گھٹنوں پہ جمائے گالوں پہ ہاتھ رکھے بیٹھی تھی۔ ذرا سا سوچا پھر آنکھیں چمکیں۔ ہاتھ گال سے ہٹائے' سر اٹھا کر بہن کو دیکھا اور چہک کر بولی۔

''کوئی بات نہیں۔ ہم بابا کو فون کر لیں گے۔ وہ ہمارا فون ہمیشہ اٹھاتے ہیں۔'' امل نے اداسی سے اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ وہ سمجھتی تھی اور جو سمجھتی تھی' وہ چھوٹی بہن کو نہیں سمجھا سکتی تھی۔

نور اٹھی اور سارہ کا موبائل اٹھا کر جلدی جلدی بابا کا نمبر ملایا اور فون کان سے لگایا۔

''آپ کے مطلوبہ نمبر سے جواب موصول نہیں ہو رہا۔ برائے مہربانی تھوڑی دیر بعد کوشش کریں۔''

''کتنی دیر بعد کروں دوبارہ سعدی بھائی؟'' اس نے چوکھٹ پہ کھڑے سعدی کو پکارا۔ سارہ سب سن رہی تھی۔ اس کے نام پہ گردن موڑ کر دیکھا۔ وہ سر جھکا کر آگے آیا۔

سارہ کے سامنے زمین پہ پنجوں کے بل بیٹھا۔ سارہ نے بھیگی ویران آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کی ناک اور گال لال ہو رہے تھے۔

''میرا دل چاہتا ہے سعدی! میں اپنی تمام ڈگریوں کو کہیں پھینک آؤں۔ اتنے سال جن کے لیے میں نے ضائع کر دیے۔ وہ سال میں وارث کے ساتھ بھی گزار سکتی تھی۔ کیا ہم زندگی کو ریوائنڈ نہیں کر سکتے؟ صرف ایک دن کے لیے۔ ایک سال کے لیے۔ تھوڑا سا زیادہ وقت۔ تھوڑی سی زیادہ مہلت سعدی۔'' آنکھیں بند کیں۔ ٹپ ٹپ آنسو چہرے پہ لڑھکتے گئے۔

''خالہ!'' اس نے جھکا سر اٹھایا۔ ''ہم ضرور ان کے قاتلوں کو ڈھونڈیں گے اور ان کو سزا دلوائیں گے۔'' اس کے دل کی یاسیت اور اجڑا پن بڑھ گیا تھا۔

''کیا اس سے وارث واپس آ جائے گا؟'' پھر سارہ نے خود ہی نفی میں سر ہلایا۔ سعدی لاجواب ہو گیا۔ اس سوال کا جواب اس کے پاس تب نہیں تھا۔ یہ جواب اسے کئی سال بعد ملا تھا۔

.....❖❖❖.....

کون گواہی دے گا اٹھ کر جھوٹوں کی اس بستی میں ..... سچ کی قیمت دے سکنے کا تم میں یارا ہو تو کہو

بالکونی میں جواہرات اور ہاشم کھڑے تھے۔ دونوں مضطرب مگر بظاہر سکون سے دور انیکسی کی طرف دیکھ رہے تھے جس کے برآمدے میں پولیس کے چند اہلکاروں کے ساتھ فارس کھڑا کوئی کلیو دے رہا تھا۔ وہ مسلسل بھنویں سکیڑے کچھ کہے جا رہا تھا اور آفیسر سن رہا تھا۔

''تمہیں وہ چیزیں اس کی گاڑی کے بجائے گھر میں پلانٹ کروانی چاہیے تھیں۔'' جواہرات ناگواری سے سامنے دیکھتی بولی۔ ہاشم نے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں بھول جاتی ہیں کہ اس کا گھر ہماری چار دیواری کے اندر آتا ہے۔ کیا سوچے گا کہ جب کوئی باہر سے اندر سیکورٹی سے گزرے بغیر آ نہیں سکتا تو اس کے گھر تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ گاڑی تو پورے شہر میں گھومتی ہے۔''

مگر جواہرات کا اضطراب کم نہیں ہوا تھا۔

''کیا اب پولیس اسے گرفتار کر لے گی؟''

''نہیں۔ لیکن اگر اس نے ''خودکشی نہیں قتل، قتل'' کی رٹ نہ چھوڑی تو کرنا پڑے گا۔''

جواہرات تعجب سے اس کی طرف گھومی۔ ''تو یہ سب کیا ہے؟ یہ تلاشی وغیرہ؟''

''صرف ایک وارننگ۔'' ہاشم ہلکا سا مسکرایا، پھیکی مسکراہٹ۔

جواہرات قدرے مضطرب سی واپس ادھر دیکھنے لگی جہاں فارس برآمدے میں کھڑا تھا۔ یہاں تک آواز نہیں آتی تھی۔ وہ صرف اس کی حرکات و سکنات سے اندازہ کر رہی تھی۔

''جھوٹ بول رہی ہے وہ سائیکاٹرسٹ۔'' فارس بمشکل ضبط کر کے غرایا تھا۔ پولیس آفیسر خاموشی سے سنتا گیا۔ ''وارث نہ کبھی اس کے پاس گیا تھا، نہ وہ کبھی اینٹی ڈپریشن دوائیں لیتا تھا۔ یہ سب بکواس ہے۔ یہ ایک قتل ہے اور آپ کو اس کی تفتیش کرنا ہوگی۔''

''پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق۔''

''میں نہیں مانتا اس رپورٹ کو۔ وہ میرا بھائی تھا۔ میں نے اسے غسل دیا ہے۔ اس کے جسم پہ تشدد کے نشان تھے۔''

''اور اس کی وضاحت کیسے کریں گے آپ؟'' اس نے شفاف پلاسٹک بیگ میں رکھا موبائل اور رسی دکھائی۔ ''ہم نے موبائل کے ل ل اں لو آپ کی گاڑی تک ٹریس کیا اور یہ رسی.... یہ سب چیزیں آپ کی گاڑی سے ملی ہیں۔'' اس نے زور دے کر دہرایا۔ فارس کے لب ی ک۔

''تو؟ وہ اس رات ادھر ہی تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اپنا موبائل میری گاڑی میں بھول گیا ہو یا کسی نے اس کو مجھ پہ پلانٹ کیا ہو۔''

''تو پھر کیا ہی اچھا ہو غازی صاحب! کہ یہ ایک خودکشی ہی ہو۔ کیونکہ اگر یہ قتل نکلا تو یہ۔'' پیکٹ لہرایا۔ ''آپ کے پاس سے برآمد ہ ا ۔'' فارس نے سمجھتے ہوئے اسے گھورتے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بالکل! یعنی کہ میں اس کیس کو فالو نہ کروں ورنہ یہ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا۔ تو پھر جائیں' وہ کریں جو کرنا ہے کیونکہ میں تو اس ا ں لو ہیں چھوڑوں گا۔''

باہر جانے کا راستہ بازو سے دکھایا۔ وہ خاموشی سے چلے گئے۔ فارس کھڑا سوچتا رہا۔ اس کا غم اب ''غصے'' کے مرحلے میں داخل ہ ہ ا تھا۔

.....❖❖❖.....

سعدی سارہ کے کمرے سے باہر آیا تو کچن میں گھنگھریالے بالوں کی جھلک دکھائی دی۔ زمر وہاں کھڑی تھی۔ اس وقت ندرت کو دوا ا ۔ ہ ی تھی۔ وہ روز آجاتی پھر ان کے ساتھ رہتی۔ سعدی کو دیکھ کر نرمی سے تسلی دینے کے انداز میں مسکرائی اور پھر باہر آگئی۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ برآمدے میں آئے۔ وہاں اب حنین نہیں تھی۔ زمر اس کی جگہ پہ بیٹھ گئی۔ سعدی ساتھ کھڑا ہوگیا۔

مایوس' شکستہ' پریشان۔

''ہم یعنی فارس ماموں اور میں پراسیکیوٹر آفس گئے تھے مگر وہاں کوئی بھی اس کیس کو شروع کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ کہتے ہ ں ا ٹ مارٹم رپورٹ اور سائیکاٹرسٹ کی رپورٹ کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔''

زمر نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔

''سعدی! کیا یہ واقعی خودکشی تھی؟''

''زمر! یہ کیسی خودکشی تھی جس میں ماموں کے ہاتھ پہ رسی باندھنے کے نشان تھے؟ یہ قتل تھا۔ ان کی فائلز غائب ہیں۔ لیپ ٹاپ' ں ا ں غائب ہے۔''

''اوکے' میں پراسیکیوٹر بصیرت سے بات کرتی ہوں۔ وہ یقیناً یہ کیس....''

''وہ کیوں زمر؟'' وہ چڑ گیا۔ خفگی سے اسے دیکھا۔ ''آپ کیوں نہیں؟''

زمر ایک دم رک گئی۔ اچنبھے سے سر نفی میں ہلایا۔ ''میں؟ میں تو چھٹی پہ ہوں۔''

''چھٹی والے دن ہی میرے ماموں قتل ہوئے تھے۔''

''مگر۔ سعدی۔ دیکھو بیٹا۔'' وہ ذرا رسان سے کہتی آگے ہوئی۔ ''مجھے بہت افسوس ہے' وارث بھائی بہت اچھے انسان تھے۔ بہت ا ں دار اور رکھ رکھاؤ والے۔ جس دن سے یہ ہوا ہے' ہم سب اپ سیٹ ہیں۔ مگر میں نے اتنے سال بعد اب بریک لی ہے۔ سعدی! میرے ں ا روز اتنے قتل کیس آتے ہیں' میں بہت سوں کو بھگتا چکی ہوں۔ یہ کوئی بھی دوسرا پراسیکیوٹر لے سکتا ہے۔ میرا ہونا ضروری نہیں ہے۔''

''ہمیں آپ پہ اعتبار ہے' باقیوں پہ نہیں۔'' وہ ضد کر رہا تھا۔

''مگر میں ایک ہفتے میں کیا کرلوں گی؟ پھر شادی کے وقت تو مجھے لازمی چھٹی پہ جانا ہوگا اور....'' وہ سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی اور سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

''آپ.... آپ شادی کیسے کرسکتی ہیں؟''

زمر ایک دم سے رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''کیا مطلب؟''

''ہمارا ماموں قتل ہوگیا اور آپ کو اپنی شادی کی پڑی ہے؟''

زمر اٹھ کھڑی ہوئی' سعدی کے بالکل مقابل۔ وہ اب بھی نا سمجھی سے اسے دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''سعدی! میری شادی کل نہیں ہے۔ ابھی آٹھ دن تو ہیں اور یہ تو پہلے سے طے تھا۔ کارڈ بٹ چکے ہیں۔ اب اس ٹریجڈی کے بعد کوئی دھوم دھام نہیں ہوگی۔ شادی سادگی سے ہی ہوگی۔ مگر حماد کی فیملی میں کتنے لوگ باہر سے چھٹی لے کر آئے ہیں۔ سب تیار ہے۔ اب کینسل تو نہیں ہوگا نا بیٹا! جو ہونا ہے وہ ہونا ہے۔''

''اور ہماری فیملی زمر؟ ہم کتنے ٹوٹ گئے ہیں۔ ہمارے اس غم میں آپ ہمیں یوں چھوڑ کر شادی کرنے جا رہی ہیں۔'' وہ بے یقین تھا اور زمر ابھی تک سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ کیوں نہیں سمجھ رہا۔

''سعدی! امی نہیں رہیں' ابا میری شادی کے بارے میں بہت وہمی ہو گئے ہیں۔ میں 29 سال کی ہوں۔ میری ایک تیار شادی کینسل ہوگئی تھی۔ امی کی ڈیتھ کی وجہ سے پہلے ہم نے یہ شادی چھ ماہ آگے کی۔ اب دوبارہ تو آگے نہیں ہوگی نا۔''

''آپ اتنی خودغرض کیسے ہوسکتی ہیں؟'' وہ صدمے میں تھا۔

زمر متحیر رہ گئی۔ بنا پلک جھپکے اس نے سعدی کو دیکھا۔ ''خودغرض؟'' اسے اپنی آواز کسی کھائی سے آتی سنائی دی۔

''میں خودغرض ہوں سعدی؟''

''کیا آپ ہمارے لیے اس شادی کو آگے نہیں کرسکتیں؟''

مگر وہ ابھی تک یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ خودغرض۔ خودغرض۔ خودغرض۔ پھر لب بھینچ لیے۔

''ہمیں کسی سے صرف اتنی قربانی مانگنی چاہیے جتنی وہ دے سکے۔''

''مجھے نہیں پتا۔'' اسے غصہ آنے لگا۔ ''ہمارے خاندان میں ایک قتل ہوا ہے اور آپ پراسیکیوٹر ہیں۔ کیا آپ ہمارے لیے اتنا سا بھی نہیں کرسکتیں؟ ہمارے غموں کا کیا زمر؟''

اور میری خوشیوں کا کیا؟ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی' کہہ نہ سکی۔ وہ غصے میں آگے بڑھ گیا۔ زمر نے گردن موڑ کر اسے جاتے دیکھا اور پھر پرس لے کر باہر نکل آئی۔

گھر آئی تو بڑے ابا قمیص کے کف بند کرتے آئینے کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کہیں جا رہے تھے۔ ساری دوپہر وہ بھی سارہ کی طرف تھے۔ شاید آرام کر کے ادھر ہی جا رہے تھے۔ امی کے جانے کے بعد ذرا کمزور ہو گئے تھے مگر مضبوط رہنے کی اداکاری اچھی کر لیتے تھے۔ اسے دیکھ کر مسکرائے، مڑے۔ وہ نہیں مسکرائی، نہ مڑی۔ ان کو دیکھتی رہی۔ ان کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ غور سے اس کو دیکھا۔

''تو پھر تم کتنی دیر کی تمہید باندھو گی؟'' معلوم تھا وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔

''آپ فضیلہ آنٹی سے کہہ دیں کہ شادی دو ایک ماہ آگے کر دیں۔''

بڑے ابا کے ابرو سکڑے۔ مزید غور سے اسے دیکھا۔

کیوں؟''

''سعدی کے ماموں فوت ہوئے ہیں۔ جوان موت ہے۔ کتنی خودغرضی کی بات لگے گی اگر میں....'' الفاظ بھرا گئے۔ مگر اسے رونا آ رہا تھا۔

خودغرضی؟'' وہ اسے دیکھتے آگے آئے۔ بالکل سامنے۔ ''اور کدھر سے آ رہی ہیں یہ باتیں؟'' دروازے کو دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ ''تم فوتگی کے گھر سے آ رہی ہو' مطلب سعدی نے کہا ہے یہ سب؟''

''افوہ! اس نے کچھ نہیں کہا۔ میں خود کہہ رہی ہوں۔ موت کی وجہ سے شادی آگے کرنی چاہیے۔ نہیں کی تو خودغرضی ہوگی۔''

''اتنا تیز ردعمل زمر' یعنی واقعی اسی نے کہا ہے تو پھر بالکل خاموش ہو کر میری بات سنو۔'' ذرا سختی سے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ ''اگلی اگر سعدی کہے کہ شادی آگے کی جا سکتی ہے تو کہنا جب تمہاری دادی فوت ہوئیں تب میری تیار شادی چھ ماہ آگے کر دی تھی۔ اگر وہ کہے کہ دار کی موت پہ کی جا سکتی ہے تو کہنا تمہاری دادی کی وفات کے صرف ایک ماہ بعد فارس نے شادی کی اور ہم نے کچھ نہیں کہا اور اگر وہ کہے تم خودغرض ہو تو اسے بتانا کہ اس کی فیس کون دے رہا ہے۔''

''ابا!'' اس نے تڑپ کر غصے سے ان کو دیکھا۔

''وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ میں یہ کیس لے لوں۔''

''یہ تمہاری مرضی ہے مگر میں شادی آگے نہیں کروں گا۔ ندرت سے بھی بات کر چکا ہوں۔ اس کو کوئی اعتراض نہیں۔ تمہاری شادی سعدی کی وجہ سے نہیں ہو سکی تھی اور....''

''وہ بچہ تھا۔ اس سے غلطی ہوئی تھی۔''

''وہ اب بھی بچہ ہے۔ اب بھی غلطی کر رہا ہے۔'' پھر ذرا دھیمے ہوئے۔ ''وہ اپنی طرف سے خلوص نیت سے ہی کہہ رہا ہے مگر وہ بچہ ہے۔ اس کو ان باریکیوں کی سمجھ نہیں۔ یہ موضوع ختم ہوا۔'' وہ کالر ٹھیک کرتے باہر نکل گئے۔

زمران کو دیکھتی رہ گئی۔ ٹی وی پہ کوئی عورت کسی ڈرامے میں کہہ رہی تھی۔

''سچ کہتے تھے لوگ۔ بھانجوں بھتیجوں کو پیار دو یا قربانی، وہ اپنی اولاد نہیں ہوتے۔'' اس نے کوفت سے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی بند کیا۔ موبائل پہ کال ملائی۔ پھر بولی تو لہجہ سرد تھا۔

''سعدی! صبح مجھے آفس میں ملو۔ ہاں اپنے فارس ماموں یا جس کے ساتھ بھی آؤ، مستغیث جو بھی ہے، تب تک میں کیس کی پیش پڑھ لوں گی۔'' اور فون بند کر دیا۔ چہرے پہ البتہ ناخوشی تھی۔

زمر خوش نہیں تھی۔ بالکل بھی نہیں۔

❖❖❖

مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا ..... یہ خون خاک نشیناں تھا رزق خاک ہوا

سامنے تین کرسیوں پہ وہ تینوں تھے۔ بے چین سا آگے کو ہو کر بیٹھا اکیس سالہ کم عمر سعدی' اس کے بائیں طرف ٹانگ پہ ٹانگ رکھے سوٹ میں ملبوس موبائل پہ ٹائپ کرتا ہاشم۔ تیسری کرسی پہ جینز اور گول گلے کی شرٹ میں ملبوس پیچھے کو ہو کر بیٹھا فارس۔ ہاشم چونکہ ان سے مسلسل تعاون کر رہا تھا اور وہ ایک پریکٹس کرنے والا وکیل تھا' اس لیے اور خود اس کی پیشکش پہ اس کو ساتھ لائے تھے گو کہ وہ اور فارس آپس میں بات نہیں کر رہے تھے۔

''یہ وہ تصاویر ہیں۔ کندھوں پہ نشان' کمر پہ جوتا یا کسی وزنی چیز سے مارنے کے' سر پہ چوٹ' ہاتھ پاؤں پہ رسی باندھنے کے نشان۔''

فارس ایک ایک چیز پہ انگلی لگا کر تصاویر اسے دکھا رہا تھا۔ زمر خاموشی سے ٹیک لگائے بیٹھی اسے سن رہی تھی۔ گھنگھریالے بال

جوڑے میں بندھے تھے۔لونگ چمک رہی تھی۔

''اس کا باس اس پہ استعفیٰ کے لیے دباؤ ڈال رہا تھا۔فاطمی۔'' ہاشم نے بنا چونکے سپاٹ چہرے کے ساتھ اسے دیکھا۔

''میں نے اسے استعفیٰ دینے سے منع کیا تھا مگر وہ پریشان تھا۔آپ کو اس کے باس سے تفتیش کرنا ہوگی۔اس کا لیپ ٹاپ' فائلز سب غائب ہیں۔وہ یقیناً جس کیس پہ تفتیش کر رہا تھا' اس میں ملوث لوگوں نے اسے مروایا ہے۔'' فارس کہہ رہا تھا پورے وثوق سے۔

زمر آگے ہوئی۔سر اثبات میں ہلایا۔ایک فائل نکال کر اس کے سامنے رکھی' کھولی۔انگلی سے صفحہ پہ ایک جگہ دستک دی۔

''دو رسیاں' ایک موبائل فون' ایک کپڑا جو داخل تفتیش ہیں' ثبوت نمبر بارہ' تیرہ' چودہ اور پندرہ.... جو کیس کا ریکارڈ ہے' یہ آپ کی گاڑی سے برآمد ہوا ہے۔''

''میں جانتا ہوں۔'' وہ سنجیدہ تھا۔

''فارس! اس کیس کو شروع کرنے سے پہلے میں اس بات کا تعین کرنا چاہتی ہوں کہ میں استغاثہ ہوں یا دفاع۔اس لیے فی الحال ایک اٹارنی کی حیثیت سے میں ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔آپ کا جواب اٹارنی کلائنٹ پریویلج کے تحت محفوظ رہے گا۔''

(اٹارنی کلائنٹ پریویلج یعنی موکل کی بتائی گئی کوئی بات چاہے وہ اعتراف جرم ہی ہو' وکیل کسی کو حتیٰ کہ پولیس کو بھی نہیں بتا سکتا۔ پریویلج توڑنے کی صورت میں وکیل کا لائسنس منسوخ ہو جائے گا اور وہ ساری زندگی وکالت پریکٹس نہیں کر سکے گا۔)

''اوکے!'' فارس نے اچنبھے سے اسے دیکھ کر سر ہلایا۔ہاشم ہلکا سا مسکرایا۔وہ جانتا تھا گفتگو کدھر جا رہی ہے۔اس نے سعدی کا کندھا تھپکا۔''ہم باہر چلے جاتے ہیں۔''

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' فارس نے زمر کو دیکھتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر روکا۔سعدی نے ناسمجھی سے سب کو دیکھا۔زمر آگے ہوئی۔ سنجیدگی سے فارس کو دیکھا۔

'کیا آپ نے اپنے بھائی وارث غازی کا قتل کیا ہے؟ یا کسی بھی طرح آپ اس قتل میں ملوث ہیں؟''

سعدی کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔فارس کے جبڑے بھنچ گئے۔ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ (انٹرسٹنگ)

''نہیں۔ہرگز نہیں۔'' وہ رکا۔اسے واقعی صدمہ ہوا تھا۔''آپ کیسے سوچ سکتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کو مار سکتا ہوں؟''

''فارس! آپ قانون بھی جانتے ہیں اور تفتیش کا طریقہ کار بھی۔آپ نے بھی بہت سی تفتیش اس طرح شروع کی ہوں گی اور آپ خاموش رہیں۔'' اس نے جذباتی ہو کر کچھ کہتے سعدی کو سختی سے ہاتھ اٹھا کر خاموش کرایا مگر وہ چپ ہونے پہ آمادہ نہیں تھا۔

''پھپھو! آپ یہ کیا....''

''میں اس وقت آپ کی پھپھو نہیں ہوں سعدی! میں پراسیکیوٹر ہوں۔میں بالکل بھی مداخلت برداشت نہیں کروں گی۔اگر آپ نے دوبارہ ٹوکا تو میں آپ کو باہر جانے کا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ خاموش ہو کر پیچھے ہو گیا البتہ بار بار فارس کو دیکھتا تھا۔وہ فارس کی طرف متوجہ ہوئی۔سنجیدہ' سپاٹ۔

''تو پھر یہ آپ کی کار سے کیوں برآمد ہوئے؟''

''کسی نے مجھے سیٹ اپ کرنے کی کوشش کی ہے۔''

''اوکے۔'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''سو میں اس بات کو سچ سمجھوں کہ آپ اس قتل میں ملوث نہیں ہیں۔''

''وہ میرا بھائی تھا میڈم پراسیکیوٹر! میں اپنے بھائی کو قتل کیوں کروں گا؟''

''کیا بس یہی ڈیفنس (دفاع) ہے آپ کا؟'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی جیسے مایوس ہوئی ہو۔

فارس خاموش رہا۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ زمر اس کی طرف ہے' خلاف نہیں۔ وہ دھیما پڑا۔

''نہیں۔ میرے پاس alibi (ایلی بائی) ہے۔ میں اس وقت اپنی بھانجی کو اس کی دوست کی طرف لے کر گیا تھا ایک ہوٹل میں۔ الحمرا ہوٹل کے سی سی ٹی وی کیمرہ میں میرے آنے اور جانے وغیرہ کا وقت ریکارڈ ہوگا۔ اور میں اس لڑکی کو گواہ کے طور پر بھی پیش کر سکتا ہوں۔''

''اب یہ ہے بہتر ڈیفنس!'' زمر نے سر ہلاتے ہوئے نوٹس لیے۔ پھر اسے دیکھا۔ ''آپ کو مجھے اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہوگا۔ میں تصدیق وغیرہ کے بعد ہی کیس plead کروں گی۔''

''اوکے! کل تک اسے ادھر لے آؤں گا یا آپ کو ادھر لے جاؤں گا۔ ڈن!''

''شیور!'' زمر نے چند اور نوٹس لیے۔ پھر سر اٹھا کر سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پولیس نے آپ کو گرفتار نہیں کیا' گاڑی سے یہ ثبوت ملنے کے باوجود بھی۔'' ان چیزوں کی تصاویر کی طرف اشارہ کیا۔

''کیونکہ میرا خیال ہے یہ وارننگ تھی کہ میں اسے خودکشی سمجھ کر بند کر دوں ورنہ وہ اسے میرے اوپر ڈال دیں گے۔''

''ہوں' اب ہم کسی سمت بڑھ رہے ہیں۔'' تب ہی ہاشم کھنکھارا۔

''آئی ایم شیور فارس بے گناہ ہے۔'' ساتھ ہی فارس کے تاثرات دیکھے۔ وہ ذرا نرم ہوئے۔ سر کے اثبات سے ہاشم کی بات کی تائید کی اور اٹھ گیا۔

''ہر چیز کے لیے شکریہ میڈم پراسیکیوٹر!'' اور فارس باہر نکل گیا۔ سعدی قدرے بے چین' قدرے الجھا ہوا تھا۔ زمر سے بات کرنے کے لیے لب کھولے مگر پھر رعب تھا یا کیا' وہ بغیر کچھ کہے باہر چلا گیا۔

ہاشم سب سے آخر میں اٹھا۔ مسکرا کر زمر کو دیکھا۔

''آپ کا کیا خیال ہے' کیا فارس بے گناہ ہے؟''

وہ سامنے پھیلے صفحے سمیٹتے ہوئے ذرا شانے اچکا کر بولی۔ ''میری رائے میٹر نہیں کرتی۔''

''کم آن! اب تو ہم دوست ہیں۔''

''نہیں۔ ہم بالکل بھی دوست نہیں ہیں۔'' زمر نے سنجیدگی سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''بہرحال میرا خیال ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔''

ہاشم کے گلے میں پھندا سا لگا۔ بہرحال وہ مسکراتا رہا۔ ''اور کس بات سے آپ کو یہ لگا؟''

''قتل کیس میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ قاتل' مقتول اور وجہ قتل۔ اس تکون میں قاتل کی جگہ فارس فٹ نہیں آتا۔ کیونکہ اس کے پاس اپنے بھائی کو مارنے کے لیے کوئی وجہ' کوئی مقصد نہیں ہے۔ وہ کیوں مارے گا وارث غازی کو؟''

''ہوں۔'' سر اثبات میں ہلاتے ہاشم مڑ گیا۔ مڑتے ساتھ ہی چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی اور اس کی جگہ سختی نے لے لی۔ خود پر لعنت بھیج کر وہ باہر نکلا۔

''آخر اتنی اہم بات وہ کیسے مس کر گیا؟''

فارس اور سعدی باہر کھڑے تھے۔ وہ کوٹ کا بٹن بند کرتا ان تک آیا۔ ہلکا سا مسکرایا۔

''ڈی اے کو تمہاری بات پہ یقین ہے فارس۔ اب تمہیں اس کو اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے بس۔'' ذرا رک کر سوال کیا۔ ''تمہاری

بھانجی کی دوست کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟'' وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''وہ امریکن ہے۔ گوری۔ ہوٹل میں رہ رہی ہے۔ کل ملوادوں گا میڈم سے اس کو۔'' وہ ناخوش لگ رہا تھا۔

''کیا نام ہے اس کا؟''

''علیشا۔'' سعدی نے جواب دیا۔ وہ اب اداس اور مضمحل سا فارس کے پیچھے جا رہا تھا جو اس ساری کارروائی سے قطعاً خوش نہیں لگ رہا تھا۔

ہاشم لب بھینچے' بے تاثر نگاہوں سے اسے جاتے دیکھے گیا۔ گردن میں گلٹی سی ابھر کر غائب ہوئی۔ اس نے ہلکا سا سر جھٹکا' گویا کہ نظر انداز کرنے کی کوشش کی' مگر۔ ذہن میں کچھ کھٹک گیا تھا۔ ''علیشا۔ امریکن۔''

''ہے سعدی!'' اس نے اسے پکارا۔ دور جاتا سعدی پلٹا۔ دھوپ کے باعث آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا۔

''فارس سے کہو مجھے اپنی ایلی بائی کا نام' ہوٹل کا پتا وغیرہ ٹیکسٹ کرے۔ میں اس کی کریڈیبلٹی چیک کر لیتا ہوں۔ کورٹ میں ہر زاویے سے اسے جج کیا جائے گا۔''

''او کے!'' سعدی مڑ گیا۔ فارس دور جا رہا تھا۔ وہ اس کے پیچھے چلتا گیا۔

ہاشم وہیں کھڑا ان کو دیکھتا رہا۔ پھر موبائل نکالا' کال ملائی۔

''خاور! کچھ دیر میں ایک عورت کا نام اور ہوٹل کا پتا ٹیکسٹ کرتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں اتنی معلومات چاہئیں جتنی اس کی سگی ماں کو بھی نہ ہوں۔'' کرختگی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

.....❖❖❖.....

چار سال بعد

حماد اور سعدی کے مشترکہ رشتہ دار کی شادی کے فنکشن میں کھڑا ہاشم بنا کسی کرختگی کے مسکرا کر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کے مخاطب نے قہقہہ لگایا تو ماضی میں کھوئی حنین چونکی۔ اردگرد دیکھا۔ وہ رنگوں اور روشنیوں سے سجے فنکشن میں کھڑی تھی۔ ہاتھ میں پکڑے پیالے کا ٹھنڈا میٹھا' گرم ہو گیا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے چلتی واپس اپنی میز تک آئی۔ سست روی سے بیٹھی۔ زمر اب وہاں نہیں تھی۔ حنین نے ذرا کی ذرا گردن موڑی۔ وہ قدرے فاصلے پہ جواہرات کے ساتھ کھڑی تھی۔ حنین کی ''رشتے کو انکار کرنے والی بات'' پہ ابھی تک اس کے وہی تاثرات تھے۔ شاکڈ' سوچ میں ڈوبی ہوئی۔ حنین نے ہونہہ کر کے رخ موڑ لیا اور سوفلے کھانے لگی۔

''کیا تم یہ سوچ رہی ہو کہ یہاں آ کر تم نے غلطی کی؟'' جواہرات نے مسکرا کر نزاکت سے اپنے بال انگلی سے ہٹائے اور ساتھ کھڑی زمر کو دیکھ کر پوچھا۔ وہ خود بین گلے والے لمبے آف وائٹ گاؤن میں ملبوس تھی اور ہمیشہ کی طرح جوان اور تر و تازہ لگ رہی تھی۔ زمر نے دلہا دلہن کو دیکھتے شانے اچکائے۔

''مجھے فرق نہیں پڑتا۔''

''آئی ایم سوری! اس دن سونیا کی سالگرہ پہ بھی میں نے ایسی ہی بات کر کے تمہیں دکھی کر دیا تھا۔'' جواہرات نے نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔ زمر پھیکا سا مسکرائی' بولی کچھ نہیں۔

''میں دانستہ طور پہ تمہیں احساس دلانے کو ایسی باتیں کر جاتی ہوں۔ تم خود دیکھو اپنے آپ کو۔ اس شخص کے پیچھے تم خود کو ضائع کر رہی ہو۔ ڈپریشن ایک مرض ہے اور تم اس سے صحت یاب نہیں ہو سکیں۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ زمر پھر سے سامنے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں

ں ہ ب سے تاثرات رقم تھے۔

''تم کبھی آگے نہیں بڑھ سکو گی اگر تم فارس سے انتقام نہ لو۔ وہ اس سب کا ذمہ دار ہے اور وہ آزاد گھوم رہا ہے۔''

''میں نے چار سال انتظار کیا کہ شاید کورٹ اس کو سزا دے' مگر۔ مگر وہ کل بھی سب کی نظر میں بے گناہ تھا' آج بھی وہ بے گناہ

''وہ سامنے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔

''تو پھر اب کیا کرو گی؟ خاموش ہو کر بیٹھ جاؤ گی؟'' وہ احتیاط سے زمر کے تاثرات دیکھتی ضربیں لگا رہی تھی۔

''اونہوں۔ اب میں اپنا انتقام خود لوں گی۔'' وہ سرد اور سپاٹ سی ہنوز دلہا دلہن کو دیکھ رہی تھی۔ جواہرات کی آنکھیں چمکیں' ہونٹ

ا ہٹ میں ڈھلتے گئے۔

''تم کچھ پلان کر چکی ہو۔ میں تمہاری مدد کر سکتی ہوں اگر تم چاہو تو۔ آخر فارس نے بے وجہ تم پہ اتنا ظلم...''

''وجہ تھی اس کے پاس۔'' زمر نے رخ پھیر کر جواہرات کو دیکھا۔ ''اس کا رشتہ میرے پیرنٹس نے ٹھکرایا تھا۔ وہ یہی سمجھا کہ میں نے

ا ہے سو اس نے مجھے ایسا بنا دیا کہ میں ہمیشہ کے لیے ٹھکرا دی جاؤں۔''

جواہرات نے نرمی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ''آئی ایم سوری۔''

''میں نے اس کی تمام کیس فائلز پراسیکیوٹر بصیرت سے مانگ لی ہیں۔''

جواہرات کے حلق میں کچھ اٹکا۔ بظاہر مسکرا کر اس نے حیرت سے کہا۔ ''مگر۔ تم قانون سے مایوس ہو' پھر اس کیس کو ری اوپن کرنے

لا دہ؟''

''ری اوپن نہیں کرنا' صرف پڑھنا ہے اور دیکھنا ہے کہ اس میں کوئی چنگاری باقی ہے یا نہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ میرے دل کی

ح پیس بھی مردہ ہو چکا ہے۔ یوں میری حجت تمام ہو جائے گی۔''

''اوہ۔ تم خود کو مطمئن کرنا چاہتی ہو کہ انصاف کا راستہ چھوڑ کر انتقام کا رستہ تم نے قانون سے مکمل مایوسی کے بعد اپنایا؟'' جواہرات

ی اٹکی سانس بحال ہوئی۔ دلچسپی بڑھ گئی۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ اردگرد کے لوگوں سے بے نیاز وہ دونوں مدھم آواز میں بات کر رہی تھیں۔

''تو۔ اس کے بعد تم کیا کرو گی؟''

''مسز کاردار! جب یہ سب ہوا تھا اور میں نے فارس کو اپنا ملزم نامزد کیا تھا' تب کسی نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ اگر کورٹ اس کو

ا ے دیتا تب بھی سعدی' ابا' حنین' سب کو یہ ظلم لگتا۔ کوئی کبھی نہیں مانے گا کہ فارس نے یہ سب میرے ساتھ کیا۔ اس نے مجھے اس جرم کی سزا

ی ہو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔''

''اور اب تم کیا کرو گی؟''

زمر نے گال پہ آئی گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹی۔ ذرا مسکرا کر جواہرات کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ ''میں اس کو ایک ایسے جرم کی سزا

ی گی جو اس نے نہیں کیا ہوگا۔ اور میں اس کو اس سب میں اس طرح پھنساؤں گی کہ سعدی' بڑے ابا' سب اسے مجرم مانیں گے۔''

''مگر زمر! کسی کو سیٹ اپ کرنا ایک مشکل کام ہے۔ تمہیں اس کے لیے فارس کے پل پل کی رپورٹ چاہیے ہوگی۔ اس کے بینک

ا ں' کریڈٹ کارڈز' کانیکٹس' کمپیوٹرز' ہر شے تک رسائی چاہیے ہوگی اور سب سے بڑھ کر آخر میں تمہیں خود اس سے نکلنے کا محفوظ راستہ

ا ہوگا تاکہ کوئی تم پہ شک نہ کر سکے۔ یہ سب تم کیسے کرو گی؟'' جواہرات ذرا الجھی تھی۔ زمر کی مسکراہٹ میں مزید تلخی آ گئی۔

''ہے ایک طریقہ۔ مگر اس پہ خود کو راضی کرنے کے لیے مجھے کچھ وقت چاہیے۔''

جواہرات نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ ''کیسا طریقہ؟''

وہ جواب میں اتنا آہستہ بولی کہ جواہرات کو بمشکل سنائی دیا۔

"In sickness and in health

Till death do us apart"

(بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے حتیٰ کہ موت ہمیں جدا کر دے)

جواہرات بالکل سن رہ گئی۔ اس نے بے یقینی سے زمر کو دیکھا۔

''تم۔ ایسا نہیں کر سکتیں۔''

''میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ اسے مجھ سے شادی کرنا تھی جو نہیں ہوئی۔ اور اس نے میرے ساتھ جو کیا وہ پوری دنیا نے دیکھا۔ بس کچھ دن لگیں گے' پھر میں خود کو راضی کر لوں گی اس شادی پہ۔ اور اس کے بعد جو میں اس کے ساتھ کروں گی وہ بھی پوری دنیا دیکھے گی۔''

''تم اپنی زندگی کے ساتھ اتنا بڑا جوا کیسے کھیل سکتی ہو؟''

''میری زندگی تھوڑی سی رہ گئی ہے مسز کاردار۔ چار سال تک تو یہ گردے چل گئے' مگر اب شاید ہی مزید چار سال چلیں۔ اس تھوڑی بہت زندگی میں مجھے بس ایک کام کرنا ہے۔ سعدی اور ابا کو دکھانا ہے کہ میں سچ بول رہی تھی۔ اور فارس کو اس کے کیے کی سزا دلوانی ہے بس۔''

جواہرات نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''اوہ۔ اور تم یہ سب اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو مجھے نہیں بتا رہیں۔ تمہیں میری مدد چاہیے' ہے نا۔''

زمر ہلکا سا مسکرائی۔

''میں آپ کے ساتھ اپنے دل کا بوجھ کیوں ہلکا کروں گی۔ آف کورس مجھے آپ کی مدد چاہیے۔''

.....❖❖❖.....

باب6:

پانی سے گاڑھا

اور دنیا کے پہلے قاتل کو سزا
سنائی تھی خود منصف اعلیٰ نے
کیا وہ موت تھی؟
نہیں!
بلکہ وہ ''زندگی'' تھی....
اور کہہ دیا تھا خدا نے کہ....
اے قابیل!
تم پھرو گے زمین میں
مفرور' بدنصیب' نشان زدہ ہو کر
اور تمہاری پیشانی کے نشان سے پہچان لے گا تمہیں ہر ملنے والا
اور یہ بھی فرمایا کہ
(کوئی قتل نہ کرے قابیل کو' کیونکہ)
جو کوئی قتل کرے گا قابیل کو
میں اسے خود سزا دوں گا
سات گنا زیادہ....
(ہنری لانگ فیلو کی تحریر ''نیبل ٹاک'' سے ماخوذ)

جواہرات بالکل سن سی ہوئی زمر کو دیکھ رہی تھی۔ گو کہ وہ یہی چاہتی تھی کہ زمر فارس سے انتقام لے' مگر پھر بھی اتنی تیزی سے ہوتا ہوا دیکھ اسے مضطرب کر رہا تھا۔ اس نے بظاہر مسکرا کر سامنے دیکھا جہاں شادی کا فنکشن اور روشنیاں نظر آ رہی تھیں' اور حماد اور کرن بھی۔

''آف کورس! میں تمہاری مدد کروں گی' لیکن یہ انتقام فارس سے ہے یا خود اپنے آپ سے؟''

''اگر پہلا پورا ہو جائے تو دوسرا بھی قبول ہے مجھے۔'' زمر بھی سپاٹ نظروں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔

''کیا تم اس کا مقدمہ ری اوپن نہیں کر سکتیں؟ اگر عدالت اس کو سزا دے تو زیادہ بہتر....''

''آپ میری مدد کریں گی یا میں کسی اور کے پاس جاؤں؟ آپ کو یاد ہو گا آپ نے میرے پاس آ کر مجھے پیشکش کی تھی کہ اگر کبھی میرا

ارادہ بدلا تو آپ میرے انتقام میں میری مدد کریں گی۔'' اس نے سرد سپاٹ سے انداز میں اسے دیکھا تو جواہرات فوراً مسکرائی۔ آگے بڑھ کر نرمی سے اس کا ہاتھ دبایا۔

''شیور! میں اپنی بات پہ قائم ہوں۔ یہ سب قدرتی طریقے سے ہوگا۔ وہ بہت جلد تمہارے گھر تمہارا رشتہ لینے آئے گا۔ بس تم اس امر کو یقینی بنانا کہ تمہارے والد انکار نہ کریں۔''

''تھینکس!'' زمر کا لہجہ ٹھنڈا تھا۔ جواہرات خاموشی سے سامنے دیکھنے لگی۔ وہ ذہن میں ایک نیا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی۔

فنکشن اب اپنے اختتام کی جانب رواں دواں تھا۔ سعدی حنین کے ساتھ خاموشی سے بیٹھا' گاہے بگاہے دور کھڑی ہلکی آواز میں باتیں کرتی زمر اور جواہرات پہ نظر ڈال لیتا۔ جواہرات نے اسے خود کو دیکھتا پایا تو نزاکت سے مسکرائی۔ سعدی جبراً مسکرایا اور رخ پھیرا تو حنین پہ نظر پڑی۔ وہ گردن ذرا موڑ کر دور ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں ناپسندیدگی ابھری۔ چہرہ حنین کے قریب کیا۔

''آئندہ ان سے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے' نہ ہی ان کی کسی بات کا اعتبار کرنا۔'' حنین نے چونک کر اسے دیکھا' قدرے دل گرفتی سے۔ ''وہ جھوٹ نہیں کہہ رہے تھے۔ ان کو واقعی افسوس ہے۔'' قدرے رکی۔ ''ان کو علیشا کے لیے واقعی افسوس ہے۔''

''جانے بھی دو حنین!'' وہ بیزار سا پیچھے ہوا۔ پھر وہاں سے اٹھ آیا۔ ہال کے کونے میں کھلتے دروازے پہ وہ رکا۔ وہ مردوں کے لیے مختص ریسٹ رومز تھے۔ اندر شیشے سے ڈھکی دیوار اور سامنے لگے بیسن کی قطار' اس کے آگے باتھ رومز تھے۔

سعدی ایک بیسن کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ نل کھولا' چہرے پہ چھینٹے مارے' نل بند کیا۔ ساتھ رکھے ٹشو اٹھائے' ہاتھ صاف کیے۔ چہرہ اٹھایا تو ٹھٹک کر رکا۔

آئینے میں اپنے عقب میں ہاشم کھڑا نظر آ رہا تھا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے' فٹڈ کوٹ کا بٹن بند' نرمی سے (البتہ مسکراہٹ کے) اسے دیکھتا۔

''تم میرے آفس نہیں آئے۔ میری سیکرٹری نے دوبارہ تمہیں فون کیا مگر تم نے نہیں اٹھایا۔''

''میں مصروف تھا۔'' وہ سر جھکائے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بولا۔ ہاشم سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

''کیا اس ہفتے آؤ گے؟''

''جی آؤں گا۔ مجھے اور آپ کو بات کرنے کی واقعی ضرورت ہے۔'' ٹشو ٹوکری میں پھینک کر سعدی سنجیدگی سے کہتے ہوئے مڑا۔

''تمہارے پاس کچھ ہے سعدی جو میرا ہے۔ تمہیں چاہیے کہ تم مجھے وہ پرامن طریقے سے لوٹا دو۔''

''نہیں تو کیا کریں گے آپ؟'' سعدی قدم قدم چلتا اس کے سامنے آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

ہاشم یک ٹک اسے دیکھتا رہا۔ سات سال پہلے جس معصوم لڑکے سے وہ ملا تھا' وہ یہ نہیں تھا۔ ہاشم کے ماتھے پہ بل آئے۔

''میں کچھ بھی نہیں کروں گا بچے! سوائے ایک نصیحت کے۔ جس شخص کے خاندان کے دو لوگ قتل ہو چکے ہوں' اس کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کہ کہیں اگلا نمبر اسی کا نہ ہو۔'' سعدی کے چہرے پہ عجیب سا دکھ ابھرا۔ بھنویں سکیڑ کر اس نے قدرے تعجب سے ہاشم کو دیکھا۔

''کیا آپ مجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رہے ہیں؟ کیا آپ میری جان لے سکتے ہیں؟''

ہاشم نے جیب سے ہاتھ نکال کر عادتاً سعدی کا شانہ تھپتھپانے کو آگے بڑھایا مگر جیسے ہی اس کا ہاتھ سعدی کے کندھے کو چھوا' اسے کرنٹ کھا کر ایک قدم پیچھے ہوا۔ دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور بہت ضبط سے ایک ایک لفظ چبا کر بولا۔

''اپنے ان ہاتھوں سے مجھے مت چھوئیے گا۔''

ہاشم کا ہاتھ ہوا میں معلق رہ گیا۔ پھر اس نے سخت تاثرات کے ساتھ سر کو خم دیا' ہاتھ واپس نیچے کر لیا اور ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ سعدی

گاڑی سے باہر نکل گیا۔

ہاشم نے ایک نظر اپنے خالی ہاتھ کو دیکھا۔ وہ سپید تھا۔ پتلی انگلیاں' باقاعدگی سے مینی کیورڈ شدہ۔ اس نے ہلکا سا سر جھٹکا۔ دل میں گہرا کرب اترا۔ کیا وہ دونوں واقعی واپس نہیں جا سکتے تھے؟ اچھے وقتوں میں واپس؟

وہ باہر آیا تو نوشیرواں بیزار سا کھڑا دور کرسی پہ بیٹھی حنین اور سعدی کو گھور رہا تھا۔ جیسے بس نہ چلتا ہو دونوں بہن بھائی کو گولی مار دے۔

''کیا بکواس کی تھی میں نے؟ اس کی بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔'' اس نے آ کر سختی سے کہا تو شیرو نے گڑبڑا کر بھائی کو دیکھا۔ پھر لاپروائی سے شانے اچکا دیے۔

''مجھے کیا! ہونہہ!'' ہاشم نے گھور کر اسے دیکھا۔

''تم ابھی تک اس شہرین ٹراما سے نہیں نکلے شیرو! بہت ہو گیا۔''

''اس کی وجہ سے میں شہرین کو کبھی نہیں پا سکوں گا۔ پچھلے ایک ہفتے سے یہی سوچ سوچ کر میرا دماغ کھول رہا ہے۔ اور آپ کہتے ہیں بہت ہو گیا۔''

''اوہ پلیز!'' ہاشم نے بیزار سا ہو کر سر جھٹکا۔ ''ہمارے پاس اس سے بڑے مسائل ہیں۔''

''اور کیا مسئلہ ہے؟ آپ نے کہا تھا وہ آپ کے ڈاکومنٹس نہیں کھول سکے گا۔ پھر؟'' نوشیرواں حیران ہوا۔

''مگر وہ جانتا ہے کہ میرے ہاتھ پہ کس کس کا خون ہے۔'' کہتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا۔ نوشیروان کے ابرو تعجب سے تنے۔

''وہ وارث غازی کی فائلز وغیرہ کے پیچھے تھا' فارس کو باہر لانے کی کوشش کر رہا تھا' مگر اسے یہ کیسے پتا چل سکتا ہے کہ آپ کسی قتل میں ملوث....''

''اسے معلوم ہے شیرو! اور فی الحال یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مگر ہاں' تم اس کو نہیں چھیڑو گے۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ تم کچھ نہیں کرو گے۔'' برہمی سے اس کو تنبیہہ کی۔ نوشیرواں نے لاپروائی سے شانے اچکائے۔ ''اوکے۔'' اور پھر سے ان ہی نظروں سے دور بیٹھے سعدی کو دیکھنے لگا۔

وہ لوگ اب گھر جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ فنکشن ڈھلتے چاند کی طرح دم توڑ رہا تھا۔ آگے اندھیری رات تھی۔

.....❖❖❖.....

کب سے ہیں ایک حرف پہ نظریں جمی ہوئی ..... وہ پڑھ رہا ہوں جو نہیں لکھا کتاب میں

زمر شادی کی تقریب سے لوٹی تو اس کی ہدایت کے مطابق صداقت پراسیکیوٹر بصیرت سے کیس فائلز لے آیا تھا۔ وہ ایک بڑا سا بکس تھا جو اس کے کمرے کے فرش پہ رکھا تھا۔ وہ ابا کو سلام اور شب بخیر ایک ہی سانس میں کہہ آئی۔ دروازہ مقفل کیا' پرس پرے پھینکا' پھر الماری کھولی۔ نچلے خانے سے ایک چھوٹا ڈبہ نکالا جس میں سے اخبار کے تراشے اس صبح نکل کر باہر جا گرے تھے جب فارس بری ہوا تھا۔ وہ صبح اب سب کچھ بدل گیا تھا۔ ڈبا اس نے بڑے باکس کے قریب اوندھا کر دیا۔ کاغذ' تراشے' نوٹس کا ڈھیر لگ گیا۔ پھر اس نے باکس کو بھی الٹا دیا۔ جھک کر جوتوں کے اسٹریپ کھول کر انہیں پرے اچھالا۔ گھنگھریالے بالوں کا گول مول جوڑا بنا کر وہ نیچے بیٹھ گئی۔ جلدی جلدی ان چیزوں کو الٹ پلٹ کرتی وہ کچھ تلاش کر رہی تھی۔ ابرو بھنچے ہوئے' لب سختی سے پیوست' آنکھوں میں غصہ۔ پھر ڈھیر تلے سے اس نے ایک تصویر نکالی' اور دوبارہ ہاتھ مارا۔

''یہ رہی دوسری تصویر۔'' ضبط بھری سانس لی۔ تصاویر لے کر اٹھی۔ ننگے پاؤں چلتی دیوار تک گئی جہاں اونچا اور چوڑا سا گرین بورڈ

آویزاں تھا۔

زمر نے ایک پن اتاری اور پہلی تصویر وہاں سامنے لگائی۔ پھر دوسری بھی۔ قدرے پیچھے ہٹ کر تندی سے ان کو دیکھا۔

زرتاشہ غازی اور وارث غازی۔

یہ اس کا بورڈ تھا اور ابھی اسے یہ بھرنا تھا۔

وہ واپس پلٹ آئی۔ نیچے ڈھیر لگی چیزوں کو اٹھا کر اسٹڈی ٹیبل پہ رکھا۔ ترتیب سے' سلیقے سے۔ اندر اٹھتا ابال کچھ کم ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا اسے کیا کرنا ہے۔ مگر پہلے حجت تمام کرنی تھی۔ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا تھا کہ ہاں واقعی ہر راستہ بند ہونے کے بعد میں نے یہ قدم اٹھایا۔ انصاف کے دروازے بند ہوئے تو میں انتقام کی طرف آئی۔

وہ سپاٹ سنجیدہ چہرے کے ساتھ کرسی پہ بیٹھ گئی۔ کاغذات کا پلندہ سامنے رکھا۔ ٹیبل لیمپ آن کیا۔ پہلے صفحے کی پیشانی پہ درج تھا۔

''سرکار بنام فارس غازی''

زمر کی نگاہیں لفظ لفظ عبور کرتی گئیں۔ کھڑکی کے باہر رات گہری تھی اور ہر گزرتا پل اس کو مزید اندھیرا کرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ تاریکی کی انتہا کو پہنچ گئی۔ اتنی سیاہ' اتنی سیاہ کہ جیسے ساری روشنیاں دم توڑ گئی ہوں۔

اور پھر پو پھٹ گئی۔ صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی۔ روشنی کو جیسے کوئی روزن مل گیا۔ وہ پھیلتی گئی' قطرہ قطرہ' کرن کرن اور پھر روشنی بھی خوب تیز ہو کر پرانی ہوتی گئی۔

سفید ٹی شرٹ اور نیلی جینز میں ملبوس سعدی نے جب زمر کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو سورج سوا نیزے پہ تھا۔ اتوار کی سست صبح آج بھی سست تھی۔ اس کو پچھلے اتوار کی صبح یاد آئی جب زمر اس کے ریسٹورنٹ آئی تھی اور اس سے گردے کے بارے میں سوال کیا تھا۔ وہ اداسی سے مسکرایا' پھر سر جھٹکا۔ دروازہ دوبارہ بجایا۔ کوئی جواب نہیں۔

سعدی نے آہستہ سے دروازہ دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اندر کا منظر واضح ہوا۔ فرش پہ بے شمار کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ تصاویر' نوٹ اسٹیٹ۔ وہ آہستگی سے چلتا اندر آیا۔ تعجب سے سر اٹھا کر دیوار کو دیکھا۔

بورڈ بھرا ہوا تھا۔ اوپر وارث اور زرتاشہ کی تصاویر اور ان کے آگے پیچھے' اوپر نیچے بے شمار تراشے' کاغذات اور sticky es not چسپاں تھے۔ سرکار بنام فارس غازی سے متعلقہ شہادتیں' ثبوت' نا تمام جوابات' ناکافی گواہیاں' سب وہاں مختصراً سجا تھا۔ سعدی نے گردن موڑ کر اسٹڈی ٹیبل کی طرف دیکھا۔ وہاں بھی فائلز بکھری تھیں اور ایک کھلی فائل پہ سر رکھے وہ سو رہی تھی۔ آنکھیں بند' ناک کی لونگ چمکتی ہوئی اور ڈھیلا جوڑا کھل کر بکھر چکا تھا۔ وہ ہلکا سا مسکرایا' پھر قریب آیا۔ میز کے کنارے ہاتھ رکھ کر جھکا۔

''پھپھو!'' سعدی نے نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ ''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ میں آپ کا سر دبا دوں؟''

''ہوں۔'' کہہ کر سر اٹھانے لگی تو وہ سیدھا ہو گیا۔ بند آنکھوں سے چہرے سے بال ہٹاتی سیدھی ہو بیٹھی۔ لٹیں کان کے پیچھے اڑسیں۔ آنکھوں کو پوروں سے مسلا۔ پھر چہرہ موڑ کر گلابی خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا۔ ہلکا سا مسکرائی۔

''تم کب آئے؟''

''ابھی۔ مجھے رات کو لگا تھا آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ آپ کچھ پریشان لگ رہی تھیں۔'' ذہن کے پردے پہ جواہرات سے بات کرتی زمر ابھری۔ پھر ایک فکرمند نگاہ بکھرے کاغذوں پہ ڈالی۔

''آپ کیا کر رہی ہیں زمر؟''

''اوہ یہ!'' اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ''یہ پراسیکیوٹر بصیرت نے بھجوائے ہیں۔'' وہ کسل مندی سے اٹھی اور چیزیں سست روی

پھیلنے لگی۔

''ڈیڑھ سال پہلے میں بھی یہی کر رہا تھا۔ مگر آپ کو یہاں کچھ بھی نہیں ملے گا۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' خلاف توقع زمر نے سنجیدگی سے اسے دیکھ کر کہا۔ سعدی ایک دم چپ سا ہو کر اسی کو دیکھنے لگا۔

''واقعی یہ کیس مردہ ہے۔ کوئی بھی چیز یہ ثابت نہیں کرتی کہ فارس گلٹی ہے۔'' وہ اب فائل میں صفحے ترتیب سے لگا رہی تھی۔

''سوائے آپ کی گواہی کے۔ مطلب....'' وہ احتیاط سے ایک ایک لفظ کہہ رہا تھا۔ ''مطلب جو آپ نے کورٹ میں کہا.... یعنی کہ.... فائرنگ سے پہلے فارس غازی کے نمبر سے فارس غازی کی آواز میں آپ کو کال کی گئی تھی۔''

''اور تم نے....'' زمر نے پرسکون' ٹھنڈی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''اپنے وکیل کے ذریعے کورٹ میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ کال جعلی تھی۔ کوئی سافٹ ویر یوز کر کے فارس سے مشابہ آواز بنائی گئی تھی۔''

''جی۔ کیونکہ وہ جعلی تھی اور اسی لیے جج نے ماموں کو رہا کر دیا۔''

''یونو سعدی! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' زمر نے سمجھنے والے انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔ ''ہو سکتا ہے مجھے واقعی سیٹ اپ کیا گیا ہو۔ وہ سب جھوٹ ہو۔ میری غلط گواہی کی وجہ سے فارس (نام لینا بھی اذیت ناک تھا) نے چار سال جیل میں کاٹے۔ یہ کیس مکمل طور پہ پڑھنے کے بعد' غیر جانب داری سے' مجھے واقعی یہ لگ رہا ہے کہ میں ہی غلط ہوں۔ مجھے نہیں پتا۔ مگر میرا نہیں خیال کہ اب میرے پاس کوئی وجہ باقی رہ گئی ہے تمہارے ماموں کو موردِ الزام ٹھہرانے کی۔ اس لیے گو کہ میرا دل پوری طرح صاف نہیں ہوا' مگر میں اپنے الزامات سے پیچھے ہٹتی ہوں۔'' سنجیدگی سے کہتی وہ اب فٹافٹ کمرے کی چیزیں اپنی جگہ پہ واپس لا رہی تھی۔ ''اگر میں غلط ہوں اور تم سب ٹھیک ہو' اور شاید ایسا ہی ہو' تو میں ہار مانتی ہوں۔''

''میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ ہار مانیں۔'' اس کو دکھ ہوا تھا۔

''گڈ! پھر تم مجھے ایک بات بتاؤ۔ فارس نے جو مجھے کال کی تھی' جو تمہارے بقول جعلی آواز تھی.... واٹ ایور.... اس کی ریکارڈنگ تمہیں کہاں سے ملی؟''

''ریکارڈنگ!'' سعدی کے حلق میں کچھ پھنسا۔

''ڈیڑھ سال پہلے تمہارے وکیل نے وہ ریکارڈنگ عدالت میں پیش کی تھی اور تمہارے ایکسپرٹ گواہ نے یہ ثابت کیا تھا کہ اس آواز کا وائس پرنٹ فارس کی آواز کے وائس پرنٹ سے مختلف ہے۔ اور اس ریکارڈنگ کا سورس تم لوگوں نے کبھی ظاہر نہیں کیا تھا۔ کیا تم مجھے بتاؤ گے وہ تمہیں کہاں سے ملی؟'' اس کی سنجیدہ بھوری آنکھیں سعدی پہ جمی تھیں۔

سعدی نے اس کو دیکھتے ہوئے لب کھولے' پھر بند کیے۔ ذرا سا سوچا' پھر ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

''میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔ اس بنیاد پہ کہ میرا جواب مجھے مرتکب جرم ظاہر کر سکتا ہے۔''

''قانون شہادت آرٹیکل 15 کے تحت تمہیں یہ استثنیٰ حاصل نہیں ہے کیونکہ ایسے جواب پہ تمہارے خلاف کارروائی کی جا سکتی ہے۔''

''چونکہ ہم کورٹ میں نہیں ہیں اس لیے میں جواب نہ دینے کا حق رکھتا ہوں۔''

''او کے۔'' زمر گہری سانس لے کر مسکرائی۔ سر کو خم دیا اور باہر آ کر صداقت کو چائے کے لیے آواز دی۔ سعدی الجھا ہوا کھڑا رہا۔ پھر پلٹ کر اسے دیکھا۔

''کیا آپ فارس غازی کو بے گناہ کہہ رہی ہیں؟''

''میں یہ کہہ رہی ہوں کہ میں دوبارہ اس پہ الزام نہیں لگاؤں گی۔'' وہ مطمئن سی کہتی راہداری میں چلتی گئی۔

سعدی نے نظریں موڑ کر بورڈ کو دیکھا جو مختلف کاغذات سے بھرا تھا۔ زمر نے کیس پڑھا' شہادتیں' ثبوت' وہ سب دیکھا جس سے وہ ہمیشہ منہ پھیر کر چلی جاتی تھی اور اسے یقین آ گیا کہ فارس بے گناہ ہے۔ سیدھی سی بات تھی۔ اسے تو خوش ہونا چاہیے تھا۔ مگر پزل کا کون سا ٹکڑا غائب تھا؟ سادہ سی بات میں چھپی کون سی پیچیدگی اسے الجھا رہی تھی۔

سعدی نے کئی سال اس لمحے کا انتظار کیا تھا جب پھپھو تسلیم کر لیں کہ فارس بے گناہ تھا۔

وہ لمحہ آیا اور گزر گیا مگر وہ مطمئن کیوں نہیں تھا؟

کیا اس لیے کہ وہ کئی سال پہلے والا معصوم سعدی نہیں تھا؟ اور آج کے سعدی کا دماغ اسے بتا رہا تھا کہ زمر اتنی آسانی سے مڑنے والی ٹہنی نہیں تھی۔ پھر....؟

وہ خود سے الجھتا باہر آ گیا۔ ابھی اسے ایک جگہ اور بھی جانا تھا۔

.....❖❖❖.....

ہر اک قدم اجل تھا ہر اک گام زندگی ..... ہم گھوم پھر کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں

کاردار قصر پہ وہ اتوار معمول کی چستی اور گہما گہمی کے ساتھ طلوع ہوئی تھی۔ سعدی نے نیچی چار دیواری پہ ہارن دیا۔ اسے دیکھ کر گارڈز نے دروازہ کھول دیا۔ کار مخصوص چیک پوائنٹس سے گزر کر آگے آئی' ڈھلان عبور کی اور وہ رہا سامنے اونچا محل اور اس کے عقب میں چھوٹی سی انیکسی۔

وہ کار اس روش پہ آگے لے گیا جو اونچے نیچے سبزے کے درمیان سے گزر کر انیکسی تک جاتی تھی۔ دفعتاً اس نے رفتار آہستہ کر دی۔ ہاشم کی عقبی بالکونی کا منظر سامنے آیا۔ وہ نیچے سبزے پہ کھڑا تھا۔ ٹراؤزر اور آدھی آستین کی ٹی شرٹ میں ہنستے ہوئے جھک کر اپنے پالتو لیبرڈار کتے کے بالوں کو سہلا رہا تھا۔ ساتھ بے اختیار ہنستی پرجوش سی سونیا کھڑی تھی۔ وہ دونوں مدھم آواز میں باتیں کرتے ہنستے جا رہے تھے۔

گاڑی کی آواز پہ ہاشم نے سر اٹھایا۔ ایک نظر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی کو دیکھا' دوسری کار کے رخ پہ ڈالی۔ (مطلب وہ انیکسی جا رہا تھا) پھر مسکرا کر سیدھا ہوا۔ ہلکا سا ہاتھ ہلایا۔

سعدی نے جواب میں بنا مسکرائے دایاں ہاتھ اٹھایا۔ پیشانی کے قریب لے جا کر سر کو خم دیا' خاموش سلام (ادب پہلا قرینہ ہے دشمنی کے قرینوں میں) اور کار آگے لے گیا۔ ہاشم سرد سی مسکراہٹ سے اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر سر جھٹک کر سونیا کی طرف متوجہ ہو گیا جو اسے کچھ کہہ رہی تھی۔

سعدی نے کار انیکسی کے قریب کھڑی کی۔ پیچھے دیکھے بغیر برآمدے میں آیا۔ بیل دبائی۔ بجلی نہیں تھی تبھی گھنٹی نہیں بجی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جواب ندارد۔ اس نے انتظار نہیں کیا۔ چابی اس کے پاس تھی۔ فارس نے جیل کے زمانے سے اسے دے رکھی تھی۔

اندر آیا تو گھر خاموش کھڑا تھا۔ وہ قدرے حیران سا ایک کمرے سے دوسرے تک گیا۔ باہر فارس کی کار تو کھڑی تھی.... پھر؟

''ادھر ہوں نیچے۔'' فارس کی آواز آئی تو وہ چونکا۔ پھر گہری سانس لے کر بیسمنٹ کو جاتی سیڑھیوں تک آیا۔ نیچے پورے گھر کے رقبے جتنا بڑا سا کمرہ تھا جس میں بڑے بڑے ستون تھے۔ اردگرد کاٹھ کباڑ' پرانا فریزر' گاڑی کا سامان وغیرہ رکھا تھا۔ ایک دیوار پہ خالی ریکس تھے۔ یہاں کسی زمانے میں فارس کی پستولوں اور بندوقوں کی کلیکشن ہوتی تھی۔ جب پولیس نے اسے گرفتار کیا تو سب لے گئی۔ کچھ بھی واپس نہیں کیا۔

سعدی زینے اترتا تہہ خانے کے فرش تک آیا۔ اندر سفید بلب جل رہے تھے۔ پھر بھی روشنی کم لگتی تھی۔ فارس دیوار سے لگی میز کے آگے کھڑا تھا۔ سعدی کی طرف پشت تھی۔ سر جھکا کر منہ میں کچھ چباتا کچھ کاغذات الٹ پلٹ کر رہا تھا۔ مگر سعدی نے اسے نہیں دیکھا۔ وہ میز

لے پیچھے موجود دیوار کو دیکھتا قدم قدم آگے آیا۔
وہاں کوئی بورڈ وغیرہ نہ تھا۔ دیوار پہ ہی تصاویر' کاغذات' کٹنگز وغیرہ چسپاں تھیں۔ اوپر نیچے' دائیں بائیں' یہ زمر کی دیوار سے زیادہ بھری ہوئی تھی۔ سعدی کے ابرو فکرمندی سے اکٹھے ہوئے۔ ذرا خفگی سے رخ پھیر کر اسے دیکھا۔
''تو آپ دو ہفتے سے یہ کر رہے تھے؟''
''کوئی اعتراض؟'' وہ پیالے میں رکھی سونف کے دانے اٹھا کر منہ میں رکھتا مڑے بنا بولا۔ ابھی تک سعدی کو نہیں دیکھا تھا۔
''مگر آپ کر کیا رہے ہیں؟'' وہ اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس کا داہنا رخ دیکھا۔ چھوٹے کٹے بال اور سنجیدگی سے بھری سنہری زرد آنکھیں جواب دیوار پہ جمی تھیں۔
''جو ساری زندگی کیا ہے۔ تفتیش۔'' وہ سرخ مارکر لے کر دیوار تک گیا۔ ایک کٹنگ چسپاں کی اور مارکر سے اوپر سوالیہ نشان بنایا۔ پھر واپس مڑ کر سعدی کو سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔
''تم کیسے آئے؟''
مگر وہ اب گردن موڑ کر میز کے کنارے پہ رکھے بیگ کو دیکھ رہا تھا جس میں اس کی تازہ تازہ منگوائی گئی گنز تھیں اور گولیاں۔ اور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے سعدی کو غصہ آنے لگا۔ وہ اس کی بے گناہی کے ثبوت دیتا تھک گیا اور ادھر آ کر کوئی یہ سب دیکھ لے تو....؟''
''کیا یہ آپ کے نام پہ لائسنس شدہ ہیں؟'' ناپسندیدگی سے گنز کو دیکھ کر اس نے مشکوک نظروں سے فارس کا چہرہ دیکھا۔
''نہیں۔ اگر گرفتار کرنا ہے تو کر لو۔'' تلخی سے کہتا وہ میز تک واپس آیا اور کاغذات اٹھا کر دوسری طرف رکھنے لگا۔ سعدی نے بے بسی سے اسے دیکھا۔
''ڈیڑھ سال پہلے میں یہی کر رہا تھا۔ مگر یہ تفتیش آپ کو کہیں نہیں لے کر جائے گی۔ اس کے آگے بند گلی ہے۔''
''تو پھر تم مجھے سکھا دو کہ تفتیش کیسے کرتے ہیں' میں ساری کلاسز اٹینڈ کروں گا۔'' ناک سے مکھی اڑاتا وہ اثر لیے بنا بولا۔ سعدی اف کر کے رہ گیا۔ پھر گھوم کر اس کے سامنے آیا۔
''اگر آپ کو پتا چل بھی گیا کہ یہ سب کس نے کیا ہے تو آپ نے یہ اسلحہ اس لیے لیا ہے نا تاکہ اس کو جا کر گولی مار دیں۔''
''تم خون کے بدلے خون پہ یقین نہیں رکھتے؟''
''بالکل رکھتا ہوں مگر انتقام لینے کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔ آپ اس کو مار دیں گے کل کو اس کے خاندان والے کسی اور کو مار دیں گے اور یہ سائیکل آف ریونج (انتقام کا چکر) کبھی نہیں ختم ہوگا۔'' اس نے فکرمندی سے سمجھاتے ہوئے آہستہ سے فارس کی کہنی تھامی۔
''ماموں! ہم ان کو سزا ضرور دلوائیں گے مگر قانونی طریقے سے۔ اس طرح نہیں۔''
فارس تیکھی آنکھیں کر کے اسے دیکھتا رہا۔
''اور اس ''ان'' میں کون کون شامل ہے' وضاحت کرو گے؟''
سعدی نے کہنی چھوڑی' پیچھے ہوا' تھوک نگلا۔ ذرا سے شانے اچکائے۔ ''مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے؟''
''یہی تو پوچھ رہا ہوں۔ جو تمہیں پتا ہے وہ کسے پتا ہے؟''
سعدی نے ٹھہر ٹھہر کر' نظر ملائے بنا دیوار کو دیکھتے ہوئے جواباً کہا۔
''میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔ اس بنیاد پہ کہ میرا جواب مجھے مرتکب جرم ثابت کر سکتا ہے۔''
''اوہ کم آن' تمہیں یہ استثنیٰ....''

''قانون شہادت آرٹیکل 15 کے تحت حاصل نہیں ہے' وغیرہ وغیرہ۔ مجھے پتا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ فارس نے واقعی ابرو اٹھا کر تعجب سے اسے دیکھا۔ سعدی نے کندھے اچکائے۔ ''زمر پھپھو کا بھتیجا ہوں آخر۔ اتنا قانون تو مجھے بھی آتا ہے۔''

فارس کے تاثرات قدرے بگھر اگئے۔ وہ سنجیدہ سا واپس مڑ گیا۔ سعدی کی مسکراہٹ مدھم ہوئی۔ ''کیا ہوا؟''

''جو تمہاری پھپھو نے میرے ساتھ کیا وہ میں نہیں بھولا۔ اس لیے بہتر ہے ہم اس طرف نہ جائیں۔ چائے پیو گے؟''

سعدی کا دل بری طرح دکھا مگر اس نے لب کھول کر بند کر لیے۔ پھر سر ہلایا۔ ''جی پیوں گا۔'' اور کرسی کھینچنے لگا۔

''اوپر کچن میں سامان رکھا ہے' بنا لو۔ دو کپ۔ میرے میں چینی نہ ہو۔''

وہ جو بیٹھنے لگا تھا' رکا' ناراضی سے اسے دیکھا اور ''بہت اچھا'' کہہ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ فارس بدستور گردن جھکائے کاغذات کھنگال رہا تھا۔

انیکسی کا کچن لاؤنج سے ملحقہ تھا۔ بالکل اوپن۔ اس نے سامان ڈھونڈا۔ چولہا جلایا۔ پانی میں پتی گویا جھونکی۔ پھر کھڑکی کو دیکھا۔ اس پہ کوئی پردہ وغیرہ نہ تھا۔ کھڑکیوں کے شیشے پہ گفٹ پیپر لگا کر بھونڈی سی پیچ کی گئی تھی۔ اور یہ تو سب کو پتا تھا کہ زرتاشہ ایک انتہائی پھوہڑ لڑکی تھی۔

سعدی نے کھڑکی کھولی تو سامنے قصر کا عقبی حصہ نمایاں ہوا۔ ہاشم بال کتے کی طرف اچھالتا' وہ اسے منہ میں کھینچ کر کے سونیا کی طرف بھاگتا۔ سونیا ہنس ہنس کے دوہری ہو رہی تھی۔

سعدی کے چہرے پہ زخمی سا تاثر آیا۔ اس نے کھڑکی بند کر دی۔ زور سے ٹھک۔

ایک ہفتہ ہو گیا تھا' ہاشم کی فائرنگ کے کبھی بے بسی سے بیٹھا تھا۔ اسے جلد از جلد ثبوت اکٹھے کر کے ہاشم کے پاس جانا تھا تاکہ زمر اور فارس کی آپس کی غلط فہمی دور ہو جائے۔ ذہن میں آگے کا لائحہ عمل ترتیب دیتا وہ چائے بنا کر نیچے لایا تو فارس اپنی بھری دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ نچلا لب دانت سے دبائے' آنکھیں سکیڑ کر کچھ سوچتا۔

''یہ آدمی!'' اس نے الیاس فاطمی کی تصویر پہ انگلی سے دستک دی۔ ''یہ وارث کا باس تھا اور اس نے وارث سے استعفیٰ مانگا تھا۔ ہر بندگلی کا سرا اس شخص تک جاتا ہے۔ یہ یقیناً کچھ نہ کچھ جانتا ہے۔'' اس نے تائیدی نظروں سے سعدی کو دیکھا۔ اس نے شانے اچکائے اور کپ فارس کی طرف بڑھا دیا۔

فارس نے گھونٹ بھرا' پھر بدمزگی سے اسے دیکھا۔

''اس میں چینی ہے۔''

''اوہ میں بھول گیا۔ سوری۔'' سعدی نے معصومیت سے معذرت کی۔ کرسی پہ بیٹھا اور اپنے کپ سے گھونٹ گھونٹ بھرنے لگا۔

فارس نے اسے گھور کر سر جھٹکا' پھر دوبارہ دیوار کو دیکھنے لگا۔ وہاں چسپاں تصویریں بلیک اینڈ وائٹ تھیں۔ پھر یکایک ان میں رنگ بھرنے لگے۔ کوئی قوس قزح چھائی اور زرد موسم میں بہار اتر آئی۔

فارس بالکل خاموش سا ان تصویروں کو دیکھتا گیا یہاں تک کہ وہ چلنے پھرنے لگیں' گویا چار سال پہلے کے مناظر ابھی ان کے آس پاس پیش آ رہے ہوں۔

❖❖❖

شہر ہوا میں جلتے رہنا اندیشوں کی چوکھٹ پر — رات گئے تک الجھے رہنا بے مفہوم خیالوں میں

چار سال قبل (وارث غازی قتل کے سات دن بعد)

قصر کا ردار کے لونگ روم کی اونچی کھڑکیوں سے دھوپ چھن کر آ رہی تھی۔ اورنگزیب کا ردار گڑبڑ تاثر اور خفا آنکھوں کے ساتھ فون پہ بات کر کے ہٹے اور موبائل پھینکنے کے انداز میں صوفے پہ اچھالا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی' ضبط کرتے ہوئے صوفے کے آگے دو تین چکروں میں ٹہلے۔ دفعتاً ٹیبل کی ٹک ٹک آتی سنائی دی۔ اورنگزیب نے پلٹ کر خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔

راہداری سے جواہرات چلتی آ رہی تھی۔ بند گلے کا سفید لمبا گاؤن پہنے' دبلی پتلی اسمارٹ' جوان اور خوبصورت سی۔ یقیناً ابھی کہیں سے لوٹی تھی۔ کہنی پہ اٹکا پرس مسکراتے ہوئے میز پہ رکھا اور قریب آئی۔

''گڈ ایوننگ!'' گاؤن کے گلے پہ لگے بٹن کو دو انگلیوں سے چھیڑتی وہ میٹھی مسکراہٹ کے ساتھ اورنگزیب کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ فارس کے بھائی کے قتل کا کیا چکر ہے؟ پولیس میرے گھر کیوں آ رہی ہے؟'' وہ سخت نظروں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگے۔

''تمہارا مطلب ہے ''تمہارے'' بھانجے کے سوتیلے بھائی کا کیا چکر ہے' اور یہ کہ پولیس تمہارے گھر کی انکیسی میں کیوں آ رہی ہے؟ اوہ سوری' وہ تو تم کئی سال پہلے اپنے بھانجے کو دے چکے ہو۔''

''جواہرات!'' وہ بظاہر طیش سے غرائے مگر اس جارحیت میں مدافعانہ سی جھلک تھی۔

''بے فکر رہو۔ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ کچھ لوگ اس کے بھائی کی خودکشی کو قتل قرار دے رہے ہیں اور اس کا الزام فارس پہ لگا رہے ہیں۔ ٹھیک ہے کہ فارس قتل کے وقت پارٹی میں نہیں تھا....'' وہ نرمی سے کہتی آگے آئی۔ کارنر میں نصب ایکوریم تک آ رکی۔ گردن جھکا کر اس میں جھانکا۔ ''اور ٹھیک ہے وارث کا موبائل فارس کی کار سے ملا ہے....'' دو انگلیوں سے ایکوریم کا شیشہ بجایا' مچھلیوں میں ہلچل سی مچی۔ جواہرات مسکرائی۔ ''اور ہاں! وہ رسی جس سے وارث کے ہاتھ پیر باندھے گئے' وہ بھی اس کے پاس سے ملی ہے اور وہ تھا بھی فارس کا سوتیلا بھائی مگر....'' سیدھی ہوئی۔ اسٹینڈ میں رکھے جار سے خوراک کی مٹھی بھری اور پانی کے اوپر کھول دی۔ سارے دانے پانی میں گر گئے۔

''مگر اس سب سے کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہارے بھانجے کو گنز جمع کرنے کا شوق ہے' استعمال کرنے کا تھوڑی ہے۔ یقیناً یہ ایک خودکشی ہوگی' نا کہ قتل۔'' وہ دانہ ڈال کر ہاتھ ٹشو سے صاف کرتی چمکتی آنکھوں سے مسکراتی ان کے سامنے آئی۔ ''ہے نا؟'' اور غصے سے کھولتے اورنگزیب اس سے پہلے کہ مزید کچھ کہتے' وہ ان کو وہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

تیز تیز چلتی وہ راہداری میں آگے آئی تو مسکراہٹ اضطراب میں تبدیل ہوگئی۔ کنٹرول روم کے دروازے کو کھولا تو اندر موجود خاور اور ہاشم دونوں چونکے۔ وہ دروازہ بند کر کے ہاشم کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور سلگتی نظروں سے اسے گھورا۔

''تمہارے باپ کی کیمپین ڈسٹرب ہو رہی ہے اس سب سے' اور وہ خوش نہیں ہے۔''

''دیکھ چکا ہوں۔'' ہاشم نے بیزاری سے دیوار پہ نصب اسکرینز میں سے ایک کی جانب اشارہ کیا جہاں لاؤنج کے سی سی ٹی وی کیمرہ کی فوٹیج چل رہی تھی۔ بنا آواز کے ویڈیو۔ باقی اسکرینز پہ دوسرے مناظر تھے۔ (لاؤنج کے علاوہ گیٹ' لان' بیرونی برآمدہ جیسے چند مقامات پہ ہی یہ کیمرے نصب تھے۔)

''میں نہیں چاہتی کہ وہ فارس کے ساتھ کھڑا ہو جائے۔ اس لیے جو کرنا ہے جلدی کرو۔''

''ہاشم سنبھال لے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟''

وہ مضطرب سا یہ کہہ کر آگے آیا اور خاور کی کرسی کے ساتھ جھک کر لیپ ٹاپ کو دیکھنے لگا جس پہ خاور ٹھک ٹھک کام کیے جا رہا تھا۔

''آج تم سعدی اور فارس کے ساتھ پراسیکیوٹر کے پاس گئے تھے۔ کیا کہا اس نے؟''

''اسے فارس کی بے گناہی کا یقین ہے کیونکہ فارس کے پاس قتل کی وجہ نہیں ہے۔''

''تو تمہیں ہاشم' اسے قتل کروانے سے پہلے وجہ ڈھونڈ کر فارس پہ یہ سب پلانٹ کرنا چاہیے تھا۔'' جواہرات غرائی تھی۔ وہ طیش سے

اس کی طرف مڑا۔

''میں کارپوریٹ لائیر ہوں' کرائے کا قاتل نہیں۔ اور میں نے کچھ بھی پلاننگ سے نہیں کیا تھا۔ آپ کو معلوم ہے یہ ایک غلطی تھی اور مجھے اس کو فکس کرنا ہے۔'' رک کر اس نے غصے سے ماں کو دیکھتے ہوئے ایک دو سانسیں لیں۔ ''اور یہ سب اتنے آرام سے فکس نہیں ہوگا۔ صرف فارس نہیں' خاور بھی قتل کے وقت پارٹی میں نہیں تھا۔'' اسی پل دروازہ رسمی سی دستک کے ساتھ کھلا۔ ہاشم اور جواہرات کرنٹ کھا کر اس طرف گھومے۔ خاور بھی بے اختیار کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''اوہ آئی ایم سوری' میں.... انکل نے بلایا تھا تو....'' وہ زرتاشہ تھی۔ چوکھٹ پہ رک کے واپس جانے لگی تھی۔ ''آپ لوگ بزی ہیں۔ اٹس اوکے۔ میں بعد میں آجاؤں گی۔'' قدرے تذبذب سے معذرت کرتے ہوئے ایک قدم پیچھے ہٹایا۔ باری باری سب کے چہرے دیکھے جو سفید پڑ گئے تھے۔

''نہیں.... ہم بس.... بات کر رہے تھے۔'' ہاشم نے تھوک نگلا تھا۔ چہرے پہ زبردستی مسکراہٹ لاتا آگے آیا' مگر اڑی رنگت اور آنکھوں میں آتی پریشانی دبا نہیں پا رہا تھا۔

''سوری' میں ایسے ہی آ گئی۔'' وہ ذرا شرمندہ' ذرا سوچتی' الجھتی نگاہوں سے ان کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آپس میں اتنے الجھے ہوئے تھے کہ اسے آتے اسکرینز کی فوٹیج میں نہیں دیکھا۔ اف!

''کوئی بات نہیں۔ ہم ایک ہی خاندان ہیں۔'' جواہرات پھیکا سا مسکرائی۔ اپنی جگہ سے وہ ایک انچ بھی نہیں ہل پا رہی تھی۔ کہیں اس نے کچھ سن تو نہیں لیا۔

''انکل فارس کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وارث بھائی کے کیس کی پیش رفت وغیرہ۔ میں یہی آپ سے پوچھنے آئی تھی۔ مجھے تو کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں ہے۔'' کہتے کہتے اس نے ترچھی نظر خاور پہ ڈالی جو بالکل دم سادھے کھڑا تھا۔

ساؤنڈ پروف دروازے کو کھولتے وقت آخری فقرہ کان میں پڑا تھا۔

''صرف فارس نہیں' خاور بھی اس وقت پارٹی میں نہیں تھا۔''

''آہم....'' ہاشم کھنکھار کر گلا صاف کرتا باہر آیا۔ زرتاشہ بھی چوکھٹ سے ہٹ کر راہداری میں آ کھڑی ہوئی۔ ہاشم نے بات شروع کرنے سے قبل ذرا احتیاط سے اسے دیکھا۔ وہ چوبیس پچیس برس کی خوش شکل' سیاہ آنکھوں اور اسٹیپ میں کٹے بالوں والی لڑکی تھی۔ اس وقت ابرو ذرا الجھن سے سکوڑ کر اسے دیکھ رہی تھی۔

''ہم سب کو پتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ اس کی گاڑی سے کچھ ملنے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا زرتاشہ۔'' وہ کافی سنبھل کر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ ''رہی بات پراسیکیوٹر کی' تو وہ خواہ مخواہ فارس پہ شک کر رہی ہے اور اس کو بار بار سوال جواب کے لیے اپنے پاس بلا رہی ہے۔ پراسیکیوٹرز مریونو! سعدی کی پھپھو۔ ابھی دوپہر کو بھی فارس وہیں تھا۔''

زرتاشہ کی الجھن مدھم ہوئی۔ اس کی جگہ ناگواری سی ابھری۔

''وہ فارس پہ شک کر رہی ہیں؟''

''اس نے فارس کو کہا ہے کہ وہ اسے اپنی alibi لڑکی سے ملوائے۔ اس کو فارس کی بے گناہی کا ثبوت چاہیے۔ اب معلوم نہیں کتنے دن وہ بے چارہ اس کے آفس کے چکر لگاتا رہے گا۔ مگر زمر کو کون سمجھائے؟''

''تو جب تک اس کو یقین نہیں آئے گا' وہ فارس کو اپنے پاس بلواتی رہے گی؟'' وہ تیزی سے اسے دیکھتی بولی۔

''اوہ کم آن!'' ہاشم نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ ''روز کے چند گھنٹے اس کے ساتھ گزار لینے سے ان کے درمیان کوئی پرانی بات

ے نہیں شروع ہو جائے گی۔ بھروسہ کرو اپنے شوہر پر۔''

اور ہاشم کے لیے الفاظ تاش کے پتے تھے۔ آگے پیچھے الٹ پلٹ کر کے ان کو ترتیب دیا' مرضی کے سامنے لایا' مرضی کے چھپا گیا' اور مرضی کا مطلب نکال لیا۔ زرتاشہ لب بھینچے ضبط سے واپس مڑ گئی۔ وہ فوراً اس کے پیچھے آیا۔

''سنو! تمہیں بھی فارس پہ شک ہے؟ بے شک وہ پارٹی میں اس وقت نہیں تھا مگر....'' وہ دونوں ساتھ ساتھ راہداری میں چل رہے تھے: ہاشم نے پتے پھر سے سجائے' مگر وہ تیزی سے اس کی طرف گھومی۔

''صرف فارس کیوں؟ خاور بھی تو پارٹی میں نہیں تھا۔ پھر پولیس صرف فارس کے پیچھے کیوں آ رہی ہے؟'' اس نے جو سنا تھا' اگل دیا۔

مگر ہاشم تیار تھا اور بظاہر حیرت سے سر اثبات میں ہلایا۔

''واقعی' عجیب بات ہے۔ میں بھی ابھی ممی سے یہی کہہ رہا تھا کہ خاور بھی اس وقت نہیں تھا اور بھی کچھ لوگ نہیں تھے' مگر....''

''اور کون؟'' اس نے اسی تیزی سے بات کاٹی۔

''یہی ہمارے کچھ دوست۔ مگر میری پارٹی کوئی ایسا پیمانہ تو نہیں ہے کہ جو اس میں نہیں ہوگا' وہی قاتل ہے لہٰذا اسی پہ شک کیا جائے.... یو نو واٹ' یہ فارس پہ شک' پراسیکیوٹر کی اس سے تفتیش' یہ سب جان بوجھ کے کیا جا رہا ہے۔''

''مجھے نہیں پتا۔'' وہ الجھتی ہوئی باہر نکل گئی۔ ہاشم کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔

وہ واپس آیا تو دم سادھے کھڑی جواہرات تب تک نہیں بولی جب تک اس نے دروازہ بند کر کے لاک نہ کر دیا۔ پھر گہری سانس لے کر ان دونوں کی طرف گھوما۔

''اس نے کوئی نقصان پہنچانے والی بات نہیں سنی۔''

''میرے اعصاب جواب دے رہے ہیں ہاشم!'' جواہرات چیخ پڑی۔ ''اس سب کو ختم کرو۔ فارس پہ سب الزام ثابت کرواؤ۔ اسے جیل بھجواؤ تاکہ میں سکون کی نیند سو سکوں۔''

''جانتا ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے کہتا خاور کے لیپ ٹاپ تک آیا اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ ''کہاں تک پہنچا کام؟''

''ہو گیا ہے سر۔'' وہ تابعداری سے اسکرین پہ اسے کچھ دکھانے لگا۔ جواہرات سامنے کھڑی تھی' فکرمند الجھی ہوئی سی ان کو دیکھنے لگی۔

''تم لوگ کیا پلان کر رہے ہو؟''

باہر لان میں زرتاشہ سینے پہ بازو لپیٹے' سر جھکائے کسی عجیب کشمکش میں چلتی جا رہی تھی۔ دفعتاً آوازوں پہ وہ رکی۔ گردن گھما کر دیکھا۔

لان کے کنارے مصنوعی آبشار تھی۔ وہ اس وقت بند تھی اور اس کے اسٹیپ پہ شہرین بیٹھی تھی۔ ٹائٹس کے ساتھ سرخ کفتان نما شرٹ پہنے وہ چیونگم چباتی سر جھکائے موبائل پہ بٹن دبا رہی تھی۔ زرتاشہ نے لمحے بھر کو سوچا کہ اس کی شرٹ' گردن کی مالا' کلائی کا کڑا' اور اوہ! یہ ایئر مکس شوز.... یہ کس کس برانڈ کے ہوں گے؟ مگر پھر.... اس نے سر جھٹکا اور اس طرف آئی۔

''شہرین....!'' شہرین نے چونک کر سر اٹھایا۔ پھر آنکھیں سکوڑ کر اسے دیکھتے' چہرے پہ سامنے کو آئے سنہری بال پیچھے ہٹائے۔

''ہیلو زرتاشہ!'' وہ کروفر سے مسکرائی۔

''کیا تم مجھے سونی کی برتھ ڈے پارٹی کی ویڈیو دے سکتی ہو؟ مجھے اپنی کزنز کو تمہاری ساڑھی دکھانی ہے۔ ایکسٹرا کاپی ہو گی نا

تمہارے پاس؟''

''شیور! خاور نے بہت سی سی ڈیز مجھے دی تھیں۔ میں میری اینجیو کے ہاتھ بھجواتی ہوں۔'' تفاخرانہ شان سے اچکائے۔ زرتاشہ نرمی سے تھینکس کر کے آگے بڑھ گئی۔

.....❖❖❖.....

چلنے ہی کو ہے اک سموم ابھی ..... رقص فرما ہے روح بربادی

''تم ایک تیر سے کتنے شکار کرنا چاہ رہے ہو ہاشم؟ اگر کچھ غلط ہو گیا تو؟''

''پھر سے سن لیں پلان۔ کچھ غلط نہیں ہوگا۔ ہم زمر پہ فائرنگ کریں گے' گن فارس کی استعمال ہوگی۔ ہوٹل کے جس کمرے سے گولی چلے گی' وہ بھی اسی کے نام پہ ہوگا۔ گن پہ فارس کے فنگر پرنٹس بھی ملیں گے۔''

''اور اگر وہ مر گئی تو؟'' جواہرات کو ہول اٹھ رہے تھے۔

''اس کو نہیں مارنا ہم نے ممی۔ وہ بظاہر فارس سے تفتیش کر رہی ہے' اس پہ شک کر رہی ہے۔ ایسے میں زمر کو یہ حملہ ایک مجرم کو خود کو چھپانے کا حربہ لگے گا۔ وہ یہی سمجھے گی کہ گرفتاری کے خوف سے فارس نے یہ سب کیا ہے۔''

''اور اگر اس نے اسے فارس کے خلاف سازش سمجھا تو؟''

''اونہوں....'' ہاشم پہلی دفعہ کھل کر مسکرایا اور خاور کو دیکھا۔ وہ بھی مسکرایا۔ جواہرات نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

''کیا میں کچھ مس کر رہی ہوں؟''

''زمر کبھی بھی نہیں سمجھے گی کہ یہ فارس کے خلاف سازش ہے۔ وہ فارس کو ہی قصوروار سمجھے گی کیونکہ یہ بات اسے فارس خود کہے گا۔''

''او کے۔ اور فارس اسے یہ بات کیوں کہے گا؟'' جواہرات اب ذرا اکتانے لگی تھی۔

''وہ اس طرح ممی کہ ہم فارس کی طرف سے زمر کو یہی بات کہلوائیں گے۔''

''ہرگز نہیں ہاشم۔'' جواہرات نے کوفت سے سر جھٹکا۔

''زمر کو آج بھی فارس کی بے گناہی کا یقین ہے' کل بھی ہوگا۔''

''ہم اس کو فارس کی طرف سے کال کریں گے۔'' کہتے ہوئے ہاشم نے خاور کی طرف اشارہ کیا۔ خاور نے لیپ ٹاپ اسکرین جواہرات کے سامنے کی۔ وہ مشتبہ نظروں سے اسے دیکھتی قریب آئی۔

''کیا تم دونوں وضاحت کرنا پسند کرو گے؟'' خاور نے سر کو اثبات میں ہلایا اور اسکرین کو دیکھتے ہوئے مئودب انداز میں سمجھانے لگا۔

''میں نے اس سافٹ ویر میں فارس کی تمام ریکارڈنگز ڈال دی ہیں جو میرے پاس ہیں۔ ہم پچھلے ایک ہفتے سے اس کا فون ٹیپ کر رہے تھے۔ اب دیکھیے۔''

وہ چند بٹن دبا کر مزید صفحے کھولنے لگا۔ جواہرات بدستور مشکوک سی اسے دیکھے گئی۔

''میں جو بھی ٹائپ کروں گا' وہ فارس کی آواز میں ابھر کر سامنے آئے گا۔ ہم فارس کے فون سے پراسیکیوٹر کو کال کریں گے۔ اور ہمارا کہا ہوا اسکرپٹ اس کی آواز میں پڑھا جائے گا۔ وہ یہی سمجھے گی کہ یہ فارس ہے اور اس پہ حملہ کرنے سے پہلے اس کے سامنے اعتراف جرم کر کے اپنے ضمیر کی آخری چبھن نکال رہا ہے اور اس کو ختم کر کے آخری ثبوت بھی مٹانا چاہتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ زندہ بچ جائے گی' اس لیے وہ اسی کال کو فارس کے خلاف استعمال کرے گی۔''

''آف کورس زمر کے پاس یہ ریکارڈنگ نہیں ہوگی۔لیکن اس کو فارس کے یہ الفاظ ساری زندگی یاد رہیں گے۔اس بنیاد پہ وہ اسے جیل بھی بھجوائے گی اور وہ اس کے خلاف سب سے بڑی گواہ ہوگی۔ہمیں کچھ بھی نہیں کرنا پڑے گا۔وہ دونوں ایک دوسرے کے سب سے بڑے دشمن بن جائیں گے۔''

جواہرات قدرے اچنبھے سے دونوں کے چہرے دیکھنے لگی۔لب دانت سے کاٹتے ہوئے وہ کافی متفکر نظر آرہی تھی۔

''ہاشم!اگر کچھ غلط ہوگیا۔اگر زمر ہماری چال میں نہ آئی'اگر اس نے اس سب کو ایک سوچا سمجھا پلان سمجھا تو؟''

''تو پھر ہماری قسمت کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا۔مگر میں اپنے خاندان کے لیے اچھی امید رکھنا چاہتا ہوں۔''وہ شانے اچکا کر بپاٹ سا نظر آنے لگا۔

جواہرات نے بدقت مسکرا کر سر ہلایا مگر وہ ابھی بھی خوش نہیں تھی۔آنکھوں میں شدید اضطراب تھا'پھر یکا یک کسی خیال کے تحت اس نے چونک کر ہاشم کو دیکھا۔

''لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔اگر فارس نے واقعی وارث کا قتل کیا ہے اور وہ زمر کے سامنے اپنی کال میں اعتراف جرم بھی کرلے گا'تو بھی وجہ قتل کیا ہوگی؟ کم از کم اس سارے پلان میں مجھے وجہ قتل نظر نہیں آرہی۔''

ہاشم کے تاثرات قدرے سخت ہوگئے۔اس کی آنکھیں سکڑ گئیں۔اور ان میں ایک عجیب سا جذبہ ہلکورے لینے لگا۔اس نے گردن موڑ کر دروازے کی طرف دیکھا جہاں سے ابھی ابھی زرتاشہ واپس گئی تھی اور پھر دوبارہ ماں کی طرف رخ پھیرا۔جب وہ بولا تو اس کی آواز میں زہنی پن سا تھا۔

''وجہ قتل سامنے ہے اور میں اس کو اس سب میں فٹ کرلوں گا۔بھروسہ رکھیے۔ہاشم ہر چیز سنبھال سکتا ہے۔''جواہرات بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔اس نے سوچا کہ وہ ہاشم سے پوچھے کہ وہ وجہ قتل کیا بنا رہا ہے؟ لیکن پھر اس سے پوچھا نہیں گیا۔دل پر پڑے بوجھ بڑھتے جارہے تھے۔وہ بے دلی سے اٹھ کر وہاں سے آگئی۔

باہر آئی تو اورنگزیب لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ان کے سامنے جواہرات نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ ویسے ہی سجالی اور بڑی تمکنت سے آکر بڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔ٹانگ پہ ٹانگ رکھی۔بازو صوفے کے ہتھے پر جمایا اور مسکرا کر انہیں دیکھنے لگی۔

ان کے تنے تاثرات مزید تن گئے۔قدرے مدافعانہ سی جارحیت سے وہ اس کو دیکھ کر بولے۔

''ہاشم سے کہو جلد از جلد یہ معاملہ ختم کرے۔میں اس وقت اس طرح کا کوئی اسکینڈل افورڈ نہیں کرسکتا۔''جواہرات نے مسکرا کر اثبات میں سر کو خم دیا۔کم از کم اس معاملے میں وہ دونوں متفق تھے۔

.....❖❖❖.....

رستے دیار دل کے بھی کتنے عجیب تھے ..... سب راہرو تھے' کوئی یہاں رہنما نہ تھا

انیکسی کے باہر شام گہری ہورہی تھی۔بالائی منزل کے ماسٹر بیڈروم میں بیڈ کے کنارے بیٹھی زرتاشہ کے چہرے پہ سوچوں کا جال تھا۔وہ ہتھیلی پہ ٹھوڑی گرائے انگلی پہ سامنے کی لٹ لپیٹتی دور کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھی۔باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔کبھی کبھار وہ گردن موڑ کر اس طرف دیکھتی اور پھر دوبارہ سے خلا میں دیکھنے لگتی۔اس کا ذہن منقسم تھا۔ہاشم سے کی گئی باتیں'زمر کا ذکر'فارس کی غیر موجودگی'سب کچھ اسے بہت الجھا رہا تھا۔اگر خاور کا پارٹی میں موجود نہ ہونا اتنا اہم نہیں تھا تو پھر ہاشم نے بطور خاص اس بات کا ذکر کیوں کیا۔پھر اس کو آتے دیکھ کر ان کے چہرے اتنے فق کیوں ہوگئے تھے؟ زرتاشہ کے پاس بہت سے سوال تھے'جواب ایک کا بھی نہیں تھا۔

دفعتاً فون کی گھنٹی بجی۔وہ بیزاری سے اٹھی اور گھوم کر سائیڈ ٹیبل تک آئی۔فارس کا موبائل بج رہا تھا۔اوپر لکھا آرہا تھا''میڈم زمر۔''

زرتاشہ کے لب بھنچ گئے۔ آنکھوں میں عجیب سی ناگواری ابھری۔ چند لمحے وہ فون کو دیکھتی رہی' پھر جھپٹ کر اٹھایا۔ زور سے بٹن پریس کر کے کان سے لگایا۔

''جی فرمایئے؟''

''میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف بات کر رہی ہوں۔'' زمر کہتے ہوئے ذرا جھجکی۔ ''مجھے فارس سے بات کرنی ہے۔''

''میں فارس کی بیوی بول رہی ہوں۔ آپ کو فارس سے کیا بات کرنی ہے؟'' زرتاشہ کا لہجہ خشک اور سرد تھا۔ زمر لمحے بھر کے لیے چپ ہوگئی۔

''فی الحال تو ٹھیک ہوں۔ لیکن جس طرح آپ میرے شوہر کے ساتھ بی ہیو کر رہی ہیں' مجھے نہیں لگتا کہ اگلی دفعہ ہم اتنی ہی خوشگواری سے بات کر سکیں گے۔'' لائن پہ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔ پھر زمر کی آواز ابھری تو اس میں گہرا تعجب تھا۔

''سوری۔ میں آپ کی بات سمجھی نہیں۔''

''حالانکہ آپ کو سمجھنا چاہیے تھا کہ میرا شوہر بے گناہ ہے۔ پھر بھی جس طرح آپ میرے شوہر کو بار بار مجرم ثابت کرنے پہ تلی ہیں' اس سب سے مجھے یہی لگتا ہے کہ آپ اس سے کوئی پرانا بدلہ اتار رہی ہیں۔ آخر میرے شوہر نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ بمشکل غصہ ضبط کر کے کہے جا رہی تھی۔ اتنے دنوں کا اندر ابلتا لاوا کسی نہ کسی طرح پھٹنا ہی تھا۔ دوسری جانب زمر اچنبھے اور حیرت سے فون کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر اس کے تاثرات بھی سخت ہوگئے۔ آواز سپاٹ ہوگئی۔

''میں بالکل بھی نہیں سمجھ پا رہی آپ کس طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ میں صرف اور صرف فارس اور سعدی کی مدد کرنا چاہ رہی تھی۔ بہرحال جب فارس مجھ سے بات کرنے کے لیے فارغ ہو جائیں تو انہیں بتا دیجیے گا کہ انہوں نے کل مجھے اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے۔ اور ہاں ان سے کہیے گا کہ اگلی کال وہ ہی مجھے کریں گے کیونکہ میرے پاس فی الحال کرنے کو اور بہت سے کام پڑے ہیں۔'' کھٹ سے فون بند ہو گیا۔

زرتاشہ طیش سے فون کو دیکھ کر رہ گئی۔ پھر زور سے واپس پھینکا۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تو وہ چونک کر مڑی۔ فارس باہر نکل رہا تھا' تولیے سے گیلے بال رگڑتا' اس کی آنکھوں اور چہرے پہ شدید اضطراب سا تھا۔ یقیناً اس نے یہ گفتگو نہیں سنی تھی۔ وہ قریب آیا تو زرتاشہ نے بمشکل چہرے کے تاثرات نارمل کیے۔ ہلکا سا مسکرائی۔

''میڈم پراسیکیوٹر کا فون آیا تھا۔ وہ چاہتی ہیں کہ آپ انہیں کال بیک کر لیں۔'' فارس نے ذرا چونک کر اسے دیکھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس کے تاثرات پہ غور کیا۔

''اور کیا کہہ رہی تھیں؟''

''کچھ خاص نہیں۔'' وہ گھوم کر بیڈ کے دوسری طرف چلی گئی اور برش اٹھا کر بالوں میں اوپر سے نیچے پھیرنے لگی۔ البتہ چہرے پہ ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ فارس جیسے آدمی کو دھوکا دینا کم از کم زرتاشہ کے لیے اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ رخ پھیر کر بیٹھی آئینے میں اس کو دیکھتی رہی۔ فارس اب فون ملا کر اسے کان سے لگا رہا تھا۔ پھر پلٹ کر وہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں جا کھڑا ہوا۔ زرتاشہ کی سماعتیں وہیں لگی تھیں۔ بالوں میں ہیر برش پھیرتا ہاتھ رک گیا۔

''جی السلام علیکم! میڈم کیسی ہیں آپ؟ آپ کا فون آیا تھا۔'' اسے فارس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہیر برش رکھ کے دبے قدموں اٹھی اور چوکھٹ میں جا کھڑی ہوئی۔ فارس کی اس کی طرف پشت تھی۔ سامنے لان نظر آتا تھا اور اس کے پار ہاشم کے کمرے کی بالکونی۔ ہاشم کا کمرہ ہمیشہ ہی اونچائی پہ ہوتا تھا اور ان کا کمرہ نشیب میں۔ یہ فرق زرتاشہ کو آج پہلے سے زیادہ محسوس ہوا تھا۔

''جی شیور میم! میں کل آپ کو اس سے ملوا دوں گا۔ ٹائم اور جگہ میں آپ کو ٹیکسٹ کر دیتا ہوں۔''

''او کے۔'' فارس شاید کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا۔ مگر دوسری جانب سے غالباً خشک لہجے میں کی گئی بات کاٹ دی گئی تھی تبھی وہ خاموش ہوا' پھر فون بند کر دیا۔ جب وہ پلٹا تو زرتاشہ کو وہیں کھڑا پایا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟'' اس نے بظاہر انجان سی بن کر پوچھا۔ دل البتہ زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ فارس فون بند کرتا آگے آیا' ذرا سے اندھے اچکائے' خود بھی کچھ الجھا ہوا سا تھا۔

''کل مجھے انہیں اپنی ایلی بائی سے ملوانا ہے۔ اس کا بتا رہا تھا۔'' پھر خاموش ہو گیا' جیسے اسے بھی زمر کے خشک جواب پہ پہلے سے ہلکا سا حیرت ہوئی تھی' یا پھر شاید اسے برا لگا تھا۔ کیا واقعی زمر اس کو مجرم سمجھ رہی تھی؟

''کیا آپ کو یہ لگتا ہے کہ ڈی اے آپ کو مجرم سمجھتی ہے؟'' زرتاشہ ذرا کی ذرا احتیاط سے اس کا چہرہ دیکھتی قریب آئی۔ وہ جو بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا تھا' چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ چہرے کے تاثرات ذرا نرم پڑے۔ آخر وہ اس کی بیوی تھی' اس کی سوچ پڑھ سکتی تھی۔ اس نے ہم سا اثبات میں سر ہلایا۔ ''شاید۔''

زرتاشہ کو ذرا تقویت ملی۔ گردن اٹھا کر پہلے سے زیادہ اعتماد سے وہ قریب آئی۔ اس کے کندھے پہ نرمی سے ہاتھ رکھا۔

''زمر جو بھی کہے' میں جانتی ہوں آپ نے کچھ نہیں کیا اور میں جانتی ہوں کہ آپ مجرم نہیں ہیں۔ یقیناً کوئی اس میں آپ کو پھنسا رہا ہے۔'' فارس کے تاثرات کی نرمی بڑھتی گئی۔ اس نے ہلکا سا مسکرا کر سر کو خم دیا' ایسی مسکراہٹ جس میں سوگواریت بھی تھی اور زخمی پن بھی۔

''تھینک یو زرتاشہ! تمہاری سپورٹ میرے لیے بہت معنی رکھتی ہے۔'' وہ بھی جواباً مسکرا دی۔ البتہ وہ پہلے سے زیادہ مضطرب تھی۔

اس کو کیا چیز تنگ کر رہی تھی؟ ہاشم کا ایک بے معنی' بے سبب سا جملہ؟ کیا بس یہی زرتاشہ کو تنگ کر رہا تھا؟

اس نے سر جھٹکنا چاہا مگر سوچوں کو جھٹکنا اتنا آسان نہ تھا۔

ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں میری اینجیو کے ہاتھ بھجوائی گئی ویڈیو سی ڈی رکھی تھی۔ چونکہ شہرین نے بھجوائی تھی اس لیے خاور کو پتا نہیں چل سکا' اور نہ ہی ہاشم کو۔ اس نے سوچا کہ وہ کل اسے دیکھے گی۔ ہاں کل!

.....❖❖❖.....

لمحوں سے اب معاملہ کیا ہو ..... دل پہ اب کچھ گزر رہا بھی نہیں

جس وقت زمر نے فارس کا فون بند کیا' وہ گھر میں داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پہ عجیب سی بیزاری اور قدرے ناگواری تھی۔ موبائل پرس میں رکھتے ہوئے وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی جیسے وہ اس سارے کھڑاک سے تنگ آ رہی تھی' مگر سعدی.... صرف سعدی کے لیے اسے یہ سب کچھ عرصہ مزید برداشت کرنا تھا۔ پتا نہیں شادی کے بعد کیا ہو گا؟ اف....!!

مین ڈور کھول کر وہ راہداری میں آئی۔ پھر ڈرائنگ روم کے قریب سے گزرتی وہ ٹھہری۔ جالی دار پردے کے پار مہمانوں کی باتیں اور چہرے دکھائی دے رہے تھے۔ ذرا اوٹ میں ہو کر اس نے دیکھا۔ یہاں سے صرف سامنے صوفے پہ بیٹھا حماد دکھائی دے رہا تھا۔ خوش شکل سا نوجوان جس کی آنکھوں پہ گلاسز تھے مگر اس وقت وہ قدرے غیر مطمئن سی صورتحال میں بیٹھا ہوا تھا۔ باقی اس کی والدہ کا چہرہ تو یہاں سے دکھائی نہیں دے رہا تھا' مگر ان کی آواز وہ بہرحال سن سکتی تھی۔ وہ بڑے ابا سے کہہ رہی تھیں۔

''ہمیں بخوبی احساس ہے کہ آپ کے خاندان کی بہت قریبی وفات ہوئی ہے۔ لیکن آپ بھی خیال کیجیے کہ ہمارے کارڈز بٹ چکے ہیں۔ ہمارے سارے مہمان آ چکے ہیں۔ کتنے ہی لوگوں نے باہر سے آنا تھا' وہ چھٹی لے کر آئے ہیں۔ وہ اس سے زیادہ ٹھہر بھی نہیں سکتے۔ ایسے میں ہم بھی مجبور ہیں۔''

''میں بالکل سمجھ سکتا ہوں آپ کی ساری بات۔ میں آپ کو شادی آگے کرنے کا بھی نہیں کہہ رہا۔ شادی اسی دن ہو گی جو کارڈز پہ لکھا

''میں ایک ریسٹورنٹ کا ایڈریس ایس ایم ایس کر رہا ہوں جہاں پہ اس وقت آپ کے شوہر ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹرز مرصلحبہ کے ساتھ لنچ کر رہے ہیں۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو خود آ کر دیکھ لیں۔''

غیر شناسا سی آواز میں کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔ وہ ''ہیں ہیں'' کرتی رہ گئی۔ پہلے تو کچھ سمجھ ہی نہ آیا اور پھر سمجھ آنے پر وہ تیزی سے اٹھی۔ چہرے پہ شدید قسم کا طیش، غصہ اور الجھن سی بکھر گئی۔ فارس نے اس سے ملنا ہی تھا یہ تو وہ جانتی ہی تھی، لیکن کسی ریسٹورنٹ میں لنچ، یہ دو الفاظ اس کو بری طرح کھب گئے تھے۔ اور وہ زرتاشہ تھی۔ اسے حقیقت جاننی تھی۔ اس کو اپنے دل میں موجود شک کے کیڑے کو نکالنے کے لیے کچھ تو کرنا تھا۔

اس نے موبائل اٹھایا اور فارس کو کال ملائی۔ ایک گھنٹی بجی، پھر دوسری۔ اس نے فون اٹھا لیا۔

''ہاں زرتاشہ بولو؟''

''آپ کدھر ہیں؟'' قدرے ہچکچاہٹ سے اس نے پوچھا۔ ساتھ میں اسے خود پر افسوس ہونے لگا، وہ کیسے کسی اجنبی کی کال پہ اعتبار کر سکتی تھی؟

''میں کام سے آیا ہوا ہوں باہر۔ کوئی کام ہے؟''

''نہیں۔ بس میں آپ کا پتا کرنا چاہ رہی تھی۔ آج آپ نے پراسیکیوٹر سے ملوانا تھا اس لڑکی کو، وہ سب ہو گیا خیر سے؟''

''ہاں مگر میڈم ابھی تک نہیں آئیں۔ میں اور حنین علیشا کے کمرے میں ان کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ہوٹل میں یعنی کہ.....؟'' اس کی بات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ فارس نے ''بائے'' کہہ کر فون بند کر دیا۔ وہ ایک دم کلس کر رہ گئی۔ پھر موبائل رکھ کر ایک نئے ارادے سے اٹھی۔

ہوٹل کے کمرے میں خاور تیار بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں گھڑی کی سوئیوں پہ تھیں۔ اپنے ٹارگٹ کے انتظار میں وہ لمحے گن رہا تھا۔ لیپ ٹاپ پہ ہاشم سے رابطہ فی الحال خاموش تھا۔ یہ نہیں تھا کہ ہاشم دوسری جانب موجود نہیں تھا، ہاشم بس چپ تھا۔ بالکل چپ۔ وہ دونوں منتظر تھے کسی کی زندگی کی تحریر لکھنے کے لیے.....

خاور کے ہوٹل کے کمرے سے ملحقہ کمرے میں علیشا قدرے مضطرب سی کرسی پہ بیٹھی تھی۔ وہ وقفے وقفے سے سامنے خاموش بیٹھی حنین اور مقابل مضطرب سے ٹہلتے فارس کو دیکھتی۔ اس کے اپنے چہرے پہ بھی تفکر چھایا تھا۔

''میں عدالت نہیں جاؤں گی۔ میں خود کو کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتی۔'' اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔ فارس نے رک کر جیسے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

''کم از کم ابھی کے لیے تمہیں پراسیکیوٹر کے سامنے میری ایلی بائی مضبوط کرنی ہے کیونکہ یہ سچ ہے، میں قتل کے وقت ادھر ہی تھا۔''

''لیکن میں عدالت نہیں جاؤں گی۔''

''وہ بعد کی بات ہے۔''

مگر علیشا بے چین ہو رہی تھی۔

حنین بھی تو تھی اس رات ہمارے ساتھ۔ کیا صرف حنین گواہی نہیں دے سکتی؟'' اسے کوئی چیز بہت زیادہ پریشان کر رہی تھی۔

''میں سولہ سال کی لڑکی ہوں، ان کی رشتہ دار ہوں۔ میں کریڈیبل (قابل اعتماد) گواہ نہیں ہوں۔'' حنین نے پہلی دفعہ گفتگو میں مداخلت کی اور وہ بھی کافی اعتماد سے۔ فارس اور علیشا دونوں نے اسے دیکھا۔ حنین نے شانے اچکائے۔

''ایلی مک بیل، دی گڈ وائف، بوسٹن لیگل وغیرہ دیکھ کر اتنا تو پتا چل ہی جاتا ہے۔''

''وہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کہوں گی کیا؟ مجھے سب کچھ بہت عجیب سا لگ رہا ہے۔ کہیں میں تو کسی مسئلے میں نہیں پڑوں گی؟'' علیشا اب بھی ہچکچا رہی تھی۔ ''کیونکہ اگر میں کسی مسئلے میں پڑی تو میں آپ کو ابھی سے بتا رہی ہوں میں اس سب سے نکل جاؤں گی۔''

''کم از کم آج کے لیے تم اس سب سے کہیں نہیں نکل رہیں۔'' فارس نے کافی سختی سے اس کا چہرہ دیکھ کر کہا جہاں ایک رنگ آ رہا تھا' ایک جا رہا تھا۔ پھر گہری سانس لی۔ سامنے صوفے پہ آ کر بیٹھا اور سمجھانے والے مگر دوٹوک انداز میں بولا۔

''یہ نیٹ جیو والی کہانی پر اسکیو ٹر کو مت سنانا۔ تم بس ایک ٹورسٹ کے طور پر یہاں آئی ہو اپنی دوست سے ملنے' بات ختم۔ سمجھ آئی؟''

علیشا کے چہرے پر ندامت سی پھیل گئی مگر اس نے سر ہلا دیا۔ ''او کے۔''

فارس بے چینی سے اٹھ کر آگے پیچھے ٹہلنے لگا۔ پھر گھڑی دیکھی۔ حنین نے اس کی کیفیت دیکھ کر کہا۔

''آپ پھپھو کو کال کر لیں۔'' فارس نے سر ہلا کر فون نکالا۔ کال ملا کر کان سے لگایا۔ گھنٹی جانے لگی۔

ملحقہ کمرے میں موجود خاور کے لیپ ٹاپ پہ سگنل آنے لگا۔ فارس کے نمبر سے کال جا رہی تھی۔ اس نے چند کیز دبائیں' کال کا رستہ کاٹا اور فارس کو فون بند ہونے کا پیغام ملنے لگا۔ اس نے سر جھٹک کر موبائل جیب میں ڈال لیا۔

''یقیناً وہ آ رہی ہوں گی۔'' حنین نے خاموشی سے سر کو خم دیا۔ وہ اس کارروائی میں فارس کا ساتھ ضرور دے رہی تھی' البتہ وہ خوش نہیں تھی۔ اسے زمر کا فارس کے اوپر شک کرنا' علیشا کا اس سارے معاملے میں گھسیٹا جانا' سعدی کی بے چینی' ہر چیز ناخوش کر رہی تھی۔ کتنا ہی اچھا ہوتا اگر زمر صرف اس کی بات کا اعتبار کر لیتی مگر اس نے صاف بے رخی سے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کیس میں کسی کی رشتہ دار نہیں ہے۔ حنین نے یہ سب یاد کر کے ناگواری سے سر جھٹکا۔ آنکھیں ابھی تک سرخ' متورم تھیں۔ پہلے وارث ماموں کا غم' اور اس کے بعد شروع ہونے والا یہ عجیب سا پولیس' کچہری قانون کا چکر.....

❖❖❖

مرحلے اور بھی تھے جاں سے گزرنے کے لیے ..... کربلا کس نے پس کرب و بلا بھیجی ہے

زمر نے کار ریسٹورنٹ کے باہر روکی۔ موبائل اور پرس اٹھا کر باہر نکلی۔ ادھر ادھر دیکھا۔ دروازے کے قریب میز پہ ریزروڈ لکھا یہاں سے بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ ریسٹورنٹ کا گلاس ڈور کھول کر اندر آئی۔ ویٹر سے اس میز کے متعلق پوچھا۔ یہ معلوم ہونے پر کہ وہ اسی کے نام ریزروڈ ہے' وہ وہاں بیٹھ گئی۔ پھر گھڑی دیکھی۔ وہاں ابھی تک کوئی نہیں تھا۔ اس نے کافی آرڈر کی۔ اور پھر انگلیاں آپس میں مسلتے ہوئے انتظار کرنے لگی۔

کیا وہ واقعی ٹھیک کر رہی تھی؟ کیا واقعی اسے فارس کے ایلی بائی سے ملنے یہاں تک آنا چاہیے تھا؟ اصولاً تو فارس کو چاہیے تھا کہ وہ اس لڑکی کو اس سے ملوانے لے کر آتا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔ وہ اپنی حجت تمام کر لے۔ وہ سعدی کو دکھا دے کہ وہ واقعی اس کے ماموں کے لیے کوشش کر رہی ہے۔ لیکن کیا یہ سب دکھانے کا کوئی فائدہ ہوگا؟ کیا واقعی اس کے اوپر سے خود غرضی کا لیبل اترے گا؟

ان تمام سوچوں سے سر جھٹک کر زمر نے اپنی توجہ ویٹر کی طرف مبذول کی جو اب کافی لا کر سامنے رکھ رہا تھا۔ جب تک اس نے کپ اٹھایا' سامنے سے کوئی آتا دکھائی دیا۔ زمر نے چونک کر ادھر دیکھا۔ وہ زرتاشہ تھی۔ سیاہ لباس پر سرمئی دوپٹہ گردن میں لپیٹے وہ خاموش نظروں سے دیکھتی قریب آئی۔ کرسی کھینچی' سامنے بیٹھی' کہنیاں میز پہ رکھیں' ہتھیلی پہ ٹھوڑی ٹکائی۔ کافی کینہ توز نظروں سے زمر کو دیکھنے لگی۔ زمر قدرے غیر مطمئن انداز میں کرسی کے کنارے پہ آگے ہوئی۔ سر کے خم سے سلام کیا اور پوچھا۔

''فارس کہاں ہے؟''

زرتاشہ نے ہلکے سے شانے اچکائے اور زمر کو بدستور بنا پلک جھپکے دیکھتے ہوئے بولی۔

''یہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے۔ کیا آپ نے ابھی ان کے ساتھ لنچ نہیں کیا؟''

''لنچ؟ میں تو کافی دیر سے ان کا انتظار کر رہی ہوں۔ انہوں نے مجھے یہاں بلوایا تھا' مجھے کسی سے ملوانا تھا۔''

''لیکن مجھے تو یہاں کوئی نظر نہیں آ رہا۔ آخر کس سے ملوانا تھا ان کو؟''

''اپنی ایلی بائی سے۔ قتل کے وقت وہ جس کے ساتھ تھے۔'' زمر کو اب کچھ بہت برا لگ رہا تھا مگر نہ وہ اپنے محسوسات سمجھ پا رہی تھی نہ زرتاشہ کا رویہ جو عجیب نظروں سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کے لیے کچھ آرڈر کروں؟'' زمر نے کہتے ہوئے ویٹر کو اشارہ کیا۔ وہ قریب آیا تو زرتاشہ نے اس پر سے نگاہ ہٹائے بغیر محض جوس کا آرڈر دیا۔ وہ سر ہلا کر چلا گیا۔ زمر نے دوبارہ گھڑی دیکھی اور پھر موبائل کو۔ آخر فارس کہاں رہ گیا؟ اور آخر اس نے اپنی بیوی کو یہاں پہ کیوں بلا لیا؟ اس کے دل میں تو کوئی گلٹ نہیں تھا' وہ تو اس کا پرانا اسٹوڈنٹ تھا اور کچھ بھی نہیں۔ اور ہاں وہ سعدی کا ماموں بھی تھا۔ مگر پھر بھی زرتاشہ کا انداز کچھ عجیب سا تھا جیسے وہ کوئی ''دوسری'' عورت ہو۔

دوسری جانب زرتاشہ مسلسل اسے دیکھے جا رہی تھی۔ اندر ہی اندر کوئی لاوا سا پک رہا تھا۔ اسے یقین ہو چکا تھا کہ وہ فون زمر نے ہی اسے کروایا تھا۔ فارس پہ شک' اور باقی سب وہ صرف فارس کی توجہ کے لیے اس کا گھر خراب کرنے کے لیے کر رہی تھی۔ اسے سامنے بیٹھی گھنگھریالے بالوں والی کافی کا مگ گھونٹ گھونٹ پیتی لڑکی بہت بری لگی۔

''آپ کی اور فارس کی منگنی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی' یہ سچ ہے نا؟'' زرتاشہ نے اچانک سے سوال کیا تھا۔ زمر کو حیرت اور شاک کا ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ یک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ کپ میز پہ آواز کے ساتھ رکھا۔

''زرتاشہ؟'' اندر ایک ابال سا اٹھا' حیرت اور غصہ۔ بمشکل وہ ضبط کر پائی۔ ''آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ نہیں تھا۔''

''آپ انکار کیوں کر رہی ہیں؟ فارس نے خود اس بات کی تصدیق کی تھی کہ وہ آپ سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے ایسا نہیں ہو سکا۔'' ابرو اچکا کر وہ بولی۔ اس کے انداز میں جیلسی تھی' معصوم سی جیلسی۔

زمر بالکل سن رہ گئی۔ اندر کوئی جوار بھاٹا سا پکنے لگا۔ اس نے سنا تھا کہ کچھ مرد بیویوں پہ دھاک بٹھانے کو کہتے ہیں کہ خاندان کی فلاں اور فلاں لڑکی مجھ پہ مرتی تھی' یہ اور وہ۔ مگر فارس سے اس قسم کی بات کی توقع نہ تھی۔ اس کا دل مزید برا ہوا۔

''یہ انتہائی احمقانہ بات ہے۔ ابھی فارس آنے ہی والا ہوگا۔ آپ میرے سامنے یہ بات ان سے پوچھ لیجیے گا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری شادی تیار ہے۔ ایسے وقت میں اس قسم کی بات آپ کو کرنا اور مجھے سننا زیب نہیں دیتا۔''

وہ شدید برہمی سے بولتی رخ موڑ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ وہ دو عورتیں غلط وقت اور غلط موقع پہ غلط موضوع چھیڑ بیٹھی تھیں۔

زرتاشہ نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

''جو آپ کہیں۔''

وقت گزرتا جا رہا تھا اور فارس کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ زمر نے کوئی دسویں دفعہ گھڑی دیکھی۔ پھر سرد لہجے میں زرتاشہ کو دیکھے بنا بولی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ فارس وقت اور وعدے کا اتنا کچا ہے۔ اس وقت اس کو یہاں پر ہونا چاہیے تھا۔ مجھے اور بھی بہت سارے کام کرنے ہیں۔''

''میں نہیں جانتی وہ کدھر ہیں۔'' زرتاشہ اب کے ذرا مدافعانہ انداز میں بولی۔ ''مجھے تو ان فیکٹ پتا بھی نہیں تھا کہ وہ ادھر آ رہے ہیں۔ میں تو یہاں شاپنگ کرنے آئی تھی۔ آپ کو دیکھا تو ادھر آ گئی۔''

وہ لمحے بھر کو رکی۔ اب اسے خیال آ رہا تھا کہ اگر فارس ادھر آ گیا اور اسے یہاں دیکھا تو پھر کس طرح وضاحت کر پائے گی؟ کیا پتا زمر نے یہ سب اس کو فارس کی نظروں سے گرانے کے لیے کیا ہو۔ لہجے کو ذرا دھیما کر کے اس نے بات جاری رکھی۔

''کل انہوں نے ذکر کیا تھا کہ انہیں آج آپ سے ملنا ہے اسی لیے میرا خیال تھا کہ وہ یہیں آنے والے ہوں گے۔'' زمر نے اس کی بات کو اہمیت نہیں دی۔ وہ اسی طرح نظر انداز کیے دوسری جانب دیکھتی رہی۔ اس کی فضول اور احمقانہ باتوں پہ ابھی تک اسے غصہ آ رہا تھا۔ اگر وہ کوئی مذاق تھا تو بہت برا مذاق تھا۔

اور تبھی فون کی گھنٹی بجی۔ فارس کا نمبر آ رہا تھا۔ زمر نے کال اٹھائی اور خشک لہجے میں بولی۔

''آپ کدھر ہیں فارس؟ میں آپ کا کتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔'' چند لمحے خاموشی چھائی رہی۔ پھر آواز ابھری۔

''زمر آئی ایم سوری۔''

ہاشم نے لیپ ٹاپ پہ ابھرتے الفاظ سنے اور تھکے تھکے انداز میں سر کرسی کی پشت پہ گرا دیا....

''جی؟ آپ نہیں آ رہے؟'' زمر نے کہا مگر یوں لگتا تھا وہ سن نہیں رہا۔ وہ کہہ رہا تھا جو اسے کہنا تھا۔ کچھ عجیب تھا اس کے انداز میں۔ رک رک کر بولتا' بے تاثر سا انداز۔ مشینی' آٹو میٹک۔

''میں تمہارے قریب ہی ہوں زمر! لیکن میں یہاں پر آ نہیں سکتا۔ یہ میری مجبوری ہے۔ مجھے تمہیں اپنی ایلی بائی سے ملوانا تھا کیونکہ صرف تم ہی ہو جسے میرے قاتل ہونے پہ شک ہے۔ مگر میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے۔'' زمر دھک سے رہ گئی۔ اس نے بے اختیار فون کو گھورا اور پھر دوبارہ کان سے لگایا۔

''فارس مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' (اسے کب شک تھا فارس پہ؟ وہ سوال جواب تو تفتیش کا حصہ تھے۔ وہ ایسا برا مان گیا تھا؟)

ہاشم میز کا سہارا لیے کرسی سے اٹھا اور پھر اسی کرسی کے قدموں میں اکڑوں بے دم سا بیٹھ گیا۔ میز کی اوٹ میں' چھپ کر۔ سر دونوں ہاتھوں میں گرا لیا۔ مگر فارس زمر کی بات سننے کے لیے بھی نہیں رکا۔ وہ کہے جا رہا تھا۔

''اور چونکہ میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے تو اس کا ایک ہی مطلب ہے کہ وارث غازی کا قاتل میں ہی ہوں۔ اور میں اسے واقعی نہیں مارنا چاہتا تھا لیکن مجھے ایسا کرنا پڑا کیونکہ وہ میری بیوی کے ساتھ مل کر مجھے دھوکا دے رہا تھا۔'' زمر کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ اس نے بے یقینی سے سامنے بیٹھی زرتاشہ کو دیکھا جس کا جوس آ گیا تھا اور وہ اسٹرا اس میں گھماتی کچھ مکس کر رہی تھی' مگن سی۔ فارس کی بات پر اس سے ارادہ راجلن کا شکار' مگر پھر بھی اس کے چہرے پہ ایک معصومیت تھی' بچکانہ انداز۔

''فارس آپ.... آپ کہاں ہیں؟'' اسے لگا وہ مذاق کر رہا ہے۔

ہاشم اسی طرح بند آنکھوں کو انگلیوں سے مسلتا' سر گھٹنوں میں دیے بیٹھا رہا' کرب سا کرب تھا۔

''آئی ایم سوری زمر! مگر میں وہاں ہوں جہاں مجھے ہونا چاہیے۔ مجھے اپنی بیوی اور اپنے بھائی دونوں کو ختم کرنا تھا۔ ایسا کیے بغیر مجھے کبھی بھی سکون نہیں آئے گا۔ اور ہر چیز صحیح جا رہی تھی۔ میں سارا شک وارث کے متعلقہ کیس پہ ڈالنے میں کامیاب ہو رہا تھا مگر مجھے ایسا لگا کہ تمہیں مجھ پہ شک ہے تو میں نے سوچا کہ میں شک کی تصدیق کر لوں۔ میں تمہیں بتا دوں کہ میرے پاس کوئی ایلی بائی نہیں ہے۔ تم اس کیس کی واحد ایلیو ٹر ہو۔ سوائے تمہارے ہر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وارث غازی قتل کیس میں سب سے زیادہ بھاگ دوڑ میں کر رہا ہوں تو میں بے گناہ ہوں۔ سوائے تمہارے کوئی بھی مجھ پہ شک نہیں کر رہا۔ اب ایسی صورت میں جبکہ تم وارث غازی کی متعلقہ فائلز نکلوانے کے لیے کورٹ سے آرڈر لینے جا رہی ہو' اگر کوئی تمہیں گولی مار دے تو سب کا شک اس متعلقہ کیس تک جائے گا جس کی وارث تفتیش کر رہا تھا۔ فارس غازی پہ کبھی کوئی شک

نہیں کرے گا اور رہی زرتاشہ تو تم اصل ٹارگٹ سمجھی جاؤ گی اور وہ صرف کولیٹرل ڈیمیج۔''

''فارس آپ کیا کہہ رہے ہیں مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ فارس کیا آپ میری بات سن رہے ہیں؟'' زمر نے گھبرا کر بمشکل کہنا چاہا۔ اس کے اردگرد جیسے دھماکے ہو رہے تھے۔

ہاشم نے آنکھیں کھولیں۔ اسے میز کا اندرونی خلا نظر آ رہا تھا۔ اندھیرا' گھٹن۔ اس نے پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔ سر مزید اندر کر لیا۔ اوپر رکھے لیپ ٹاپ سے آوازیں بدستور آ رہی تھیں۔

''زمر میں تمہیں کال کر کے صرف ایک بار معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ میں بالکل بھی ایسا نہیں کرنا چاہتا مگر میں مجبور ہوں۔ مجھے معاف کر دینا۔ لیکن تمہیں بالکل تکلیف نہیں ہوگی۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' صرف ایک گولی۔ دل میں۔ اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

زمر کرنٹ کھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ فون کان سے لگائے اس نے بدحواسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ زرتاشہ بھی سر اٹھا کر اچنبھے سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ ریسٹورنٹ تقریباً ویران تھا۔ اس کے پار اونچی بلڈنگز تھیں' ہوٹلز تھے۔ یہیں سامنے والے ہوٹل میں تو فارس نے اسے بلایا تھا' پھر اچانک سے چینج آف پلان.... اچانک سے سب کچھ.... وہ بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اور فارس کہے جا رہا تھا۔

''میں یہ سب اس لیے بتا رہا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں یہ میری تم سے آخری گفتگو ہے۔ اور اس آخری گفتگو میں' میں تمہیں اپنی حقیقت بتانا چاہتا تھا۔ زرتاشہ اور تمہارے مرنے کے بعد میں جانتا ہوں مجھے سکون نہیں ملے گا' لیکن کم از کم میں اس قانونی کارروائی سے بچ جاؤں گا۔ آئی ایم سوری زمر!''

''فارس تم کدھر ہو؟ پلیز مجھے بتاؤ۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ جس طرح بھی ہوا میں تمہاری مدد کروں گی۔'' زمر بے چینی سے جلدی جلدی کہے جا رہی تھی۔ حالات کی نزاکت بھانپ کر اسے جو بھی کرنا تھا' جلدی کرنا تھا۔ ''میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ تم نے جو بھی کیا' اس سب کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوگی۔ میں کورٹ میں تمہارے ساتھ کھڑی ہوں گی۔ تم جو بھی مجھے کہہ رہے ہو' یہ سب اٹارنی کلائنٹ پریولج کے تحت محفوظ رہے گا۔ میں تمہاری اٹارنی ہوں فارس! میری بات سنو۔'' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔ وہ اسی طرح باتیں کیے جا رہا تھا' بالکل کسی روبوٹ کی طرح۔ جیسے اسے زمر کی کسی بات میں دلچسپی نہ ہو۔

''اپنی جگہ سے ہلنا مت۔ میں تمہیں دیکھ سکتا ہوں۔ تم بدحواس ہو رہی ہو' مگر بالکل بھی مت ہلنا ورنہ تمہیں تکلیف ہوگی۔ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا' دل میں۔ باقی میری بے وفا بیوی کے لیے ہیں۔'' خاور نے barrett M95 کی نال میں سے ایک آنکھ بند کیے جھانکا۔ نشانہ سیٹ کیا۔

''فارس پلیز ایسا مت کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گی۔ میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ پلیز میری بات سنو۔'' اسے لگا وہ منت کر رہی ہے۔ اس کی آنکھوں میں شاید آنسو آئے تھے۔ زرتاشہ بالکل حق دق سی اسے دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے ڈی اے؟'' اس نے پوچھا مگر زمر کو کچھ ہوش نہیں تھا۔ وہ اسی طرح کھڑی فون کان سے لگائے فارس کی منت کر رہی تھی۔

''پلیز فارس! میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ تم ایسا نہیں کر سکتے۔ تم ایک اچھے انسان ہو۔ تمہارے اندر اچھائی ہے۔ ہر شخص کے اندر ہوتی ہے' ہمیں صرف اس کو باہر لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمہیں یاد ہے یہ میں نے تم سے کہا تھا۔ پلیز میں تمہاری ٹیچر رہی ہوں۔ میری شادی ہونے والی ہے۔'' اس نے کبھی زندگی میں کسی کی اتنی منت نہیں کی تھی۔ ایسے کسی کے سامنے نہیں گڑگڑائی تھی۔ مگر وہ اس کی سن ہی نہیں رہا تھا۔

آئی ایم سوری زمر! مگر مجھے ایسا کرنا ہے۔ یہ سب بتانے کے بعد میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑ سکتا۔ آئی ایم سوسوری....'' اور وہ اس کے ماتھ بہت کچھ کہہ رہا تھا مگر اب کے زمر اس کو نہیں سن رہی تھی۔ وہ اسی طرح بھیگتی آنکھوں کے ساتھ مسلسل اسے کہے جا رہی تھی۔

''فارس! میں تمہاری ٹیچر رہی ہوں۔ میں سعدی کی پھپھو ہوں۔ میری شادی ہونے والی ہے۔ پلیز میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ اپنی بیوی کے ساتھ اس طرح مت کرو۔'' زرتاشہ ہکا بکا سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زمر فارس سے یہ سب کیوں کہہ رہی ہے۔

''فارس! تم ایسا کچھ نہیں کرو گے۔ پلیز میری بات سنو۔ تم یاد کرو میں تمہاری ٹیچر ہوں۔ میں نے تمہیں پڑھایا ہے۔ میں سعدی کی پھپھو ہوں۔ تم میرے ساتھ ایسا کچھ نہیں کر سکتے۔ تم میرے پاس آؤ۔ ادھر آؤ۔ میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔ ہم اس بارے میں بات کریں گے۔ جو بھی بات تمہیں کرنی ہے، ہم کریں گے۔ میں تمہارا کیس لڑوں گی۔ میں سب کچھ ٹھیک کر لوں گی فارس! تم صرف میری بات سنو۔''

لیکن اب فارس کی طرف سے خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ کچھ بھی نہیں کہہ رہا تھا۔ سانس لینے کی آواز تک نہ تھی۔

خاور نے انگلی ٹریگر پہ رکھے، کان سے لگے ہینڈز فری میں کہا۔ ''سر! آر یو شیور آپ اگلے الفاظ سننا چاہتے ہیں؟''

میز کی اوٹ میں زمین پہ بیٹھے ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''ایک ایک لفظ۔'' اس کی سختی سے بھنچی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ''کیا تم اس کو دیکھ سکتے ہو خاور؟''

''یس سر۔ ابھی بیس سیکنڈ ہیں۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں ہیں۔ ڈی اے گھبرا گئی ہے۔ مگر وہ ایک بہادر عورت ہے، وہ بھاگے گی نہیں۔ وہ آخری سانس تک فارس کو کنوینس کرنے کی کوشش کرے گی۔''

''اس کے چہرے پہ اس وقت کیا ہے خاور؟'' وہ شدت سے کنپٹی مسل رہا تھا۔ سر میں عجیب درد اٹھنے لگا تھا۔

''نہ خوف نہ پریشانی۔ صرف شاک اور بے یقینی۔''

نیچے ریسٹورنٹ میں زمر کے سامنے کھڑی زرتاشہ کو اب فکر ہونے لگی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے؟ آپ فارس سے کیا کہہ رہی ہیں؟ وہ کدھر ہے؟'' مگر زمر کو اس وقت کچھ ہوش نہیں تھا۔ اس کا دماغ کہہ رہا تھا کہ وہ فوراً زرتاشہ کا ہاتھ پکڑ کر وہاں سے بھاگ جائے مگر دل کو ابھی بھی یقین تھا کہ فارس ایسا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس نے آخری کوشش کرنی چاہی۔

''فارس پلیز تم کچھ ایسا مت کرنا جس پہ تم پچھتاؤ۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہارا کیس بھی لڑوں گی اور میں تمہیں سپورٹ بھی کروں گی۔ پلیز فارس! کیا تم میری بات سن رہے ہو؟ فارس پلیز میری شادی ہونے والی ہے۔ میرے ساتھ اس طرح مت کرو۔ اپنی بیوی کے ساتھ ایسے مت کرو۔ فارس.... فارس؟''

خاور نے ٹریگر دبا دیا۔ ایک، دو، تین، چار.... تاک تاک کر....

اور زمر نے محسوس کیا کہ فون اس کے ہاتھ سے گر گیا ہے۔ وہ فرش پہ جا لگا مگر آواز نہیں آئی۔ زمر کو اس وقت کسی بھی چیز کی آواز نہیں آئی۔

بس یوں لگا کمر کو کچھ چیر کر نکلا ہے۔ ایک دو تین.... کوئی برچھی تھی جس پہ آگ لگی تھی، کوئی عجیب سا احساس، درد بے پناہ درد۔ اس نے جھک کر میز کے کنارے کو دونوں ہاتھوں سے تھامنا چاہا۔ مگر توازن برقرار نہیں رکھ پا رہی تھی۔ زرتاشہ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیل گئیں۔ زمر نے دیکھا وہ کھڑی تھی۔ زمر کو اب وہ اونچائی پہ لگ رہی تھی کیونکہ وہ خود گرتی ہی جا رہی تھی۔ اس نے لوگوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا، اس نے زرتاشہ کو گرتے دیکھا۔ وہ اوندھے منہ زمین پہ جا گری۔ اسے ماربل کا فرش اپنے گال سے ٹکراتا محسوس ہو رہا تھا۔ ٹھنڈا فرش، سخت سے سخت دل جیسا ٹھنڈا۔ اس کے علاوہ زندگی میں ہر احساس ختم ہو چکا تھا۔ ہاں شاید کوئی اس کے آس پاس تھا، کچھ سرخ سرخ سا تھا،

کوئی سرخ سی شے تھی جو اس کی کمر سے نکل کر اس کے اردگرد بکھر رہی تھی۔ سفید ماربل کے فرش پہ' اس کے ہاتھوں پر' اس کے چہرے کے قریب' وہ بہتی جا رہی تھی۔ وہ پانی نہیں تھا' وہ پانی سے گاڑھا تھا۔

ہاشم کے آفس میں اب خاموشی چھائی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں' شکستگی سے اٹھا' تھکا تھکا سا کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ بند کیا اور سست روی سے انٹر کام اٹھا کر بولا۔

''حلیمہ! ایک کپ کافی لاؤ اور پھر جب تک میں باہر نہ نکلوں' کسی کو اندر نہ آنے دینا۔ میں کچھ وقت تنہا رہنا چاہتا ہوں۔'' پھر آنکھیں بند کر کے سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

سوگ کی ایک سہ پہر زمر یوسف کے نام! زرتاشہ غازی کے نام!

''تمہیں کسی جنت میں رہنے کا شوق تھا زرتاشہ! تمہاری یہ خواہش بھی فارس کی جگہ میں نے پوری کی۔''

❖❖❖

وقت کے کتنے ہی دھاروں سے گزرنا ہے ابھی ..... زندگی ہے تو کئی رنگ سے مرنا ہے ابھی

ہر شے اندھیر تھی۔ پلکوں پہ بہت بوجھ تھا۔ بمشکل اس نے اس باڑ کو آنکھوں سے ہٹانا چاہا۔ سفید روشنیوں والی چھت تھی۔ اردگرد لوگ تھے۔ اپنے اوپر سفید چادر تھی۔ کیا یہ زندگی کا اختتام تھا یا پھر ایک نئی زندگی کا آغاز تھا؟

بازوؤں میں سوئیاں تھیں اور اس سے زیادہ چبھتا ہوا احساس دل میں تھا۔ زمر نے دو تین دفعہ پلکیں جھپکیں۔ کچھ دھندلے دھندلے سے وجود اپنے سرہانے کھڑے نظر آئے۔ ایک گھنگھریالے بالوں والا لڑکا تھا' ایک عورت تھی فربہی مائل۔ وہ رو رہی تھی۔ اس کو جاگتے دیکھ کر روتے ہوئے وہ مسکرائی۔ زمر نے مسکرانا چاہا' کچھ کہنا چاہا۔ مگر لبوں سے بس یہی الفاظ نکلے۔ ''فارس کہاں ہے؟''

گھنگھریالے بالوں والے لڑکے نے سر جھکا دیا۔ اس کی آنکھیں بھی شاید گلابی تھیں جیسے وہ رویا ہو۔ ابھی نہیں' بہت پہلے رویا ہو۔ اب اس کے آنسو خشک ہو گئے تھے۔ وہ نرمی سے اس کے اوپر جھکا' اس کے ماتھے سے بال ہلکے سے ہٹائے اور آہستہ سے بولا۔

''زمر! کیا آپ مجھے دیکھ سکتی ہیں؟'' اور وہ اس کو دیکھ رہی تھی بنا پلک جھپکے۔ اس نے ہلکی سی آواز میں صرف اتنا پوچھا۔ ''فارس کہاں ہے؟'' کسی نے جواب نہیں دیا۔ شاید آگے پیچھے کوئی اور لوگ بھی تھے۔ ہاں اس کی بائیں طرف ایک لڑکی بھی کھڑی تھی' ماتھے پہ کٹے بال اور گلاسز والی۔ لیکن زمر اس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے ہوتے ہوئے وہ اس لڑکی کو کم ہی دیکھا کرتی تھی۔ وہ دوبارہ اس کے اوپر جھکا۔

''آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا آپ کو کہیں تکلیف ہو رہی ہے؟ کیا میں ڈاکٹر کو بلاؤں؟''

اس نے ہلکا سا پوچھا' اتنا ہلکا کہ لڑکے کو سننے کے لیے کان اس کے چہرے کے قریب لے جانا پڑا۔

''فارس کہاں..... ہے؟''

پھر اندھیرا سا دوبارہ چھانے لگا۔ ساری دنیا کا نور چلا گیا۔ سیاہی پہ سیاہی کے پردے تھے۔ اس کا دماغ پانی پہ بہتے پر کی طرح ہلکا اوپر کہیں دور اڑتا گیا۔

دوبارہ آنکھ کھولی تو چہرے بدل چکے تھے۔ اب صرف لڑکا کھڑا تھا۔ بائیں طرف شاید کوئی اور بھی تھا' مگر بائیں طرف والوں کو وہ کم دیکھا کرتی تھی۔ اس نے دائیں ہاتھ کھڑے لڑکے پہ نگاہیں مرکوز کیے لب ہلائے تو وہ پھر سے جھکا۔ اب اس کا لباس بدلا ہوا تھا۔ شاید وہ کوئی اور دن تھا۔

''آپ کیسی ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

اس کے لب ہلکے سے پھڑ پھڑائے۔ ''فارس کہاں ہے؟'' لڑکے کے چہرے پہ کرب سا بکھرا۔ اس نے سر جھکا کر اٹھایا۔

''ان کی وائف....'' وہ رکا۔ زمر یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اسے لگا اسے اس سوال کا جواب معلوم ہے۔

''ان کی وائف کو بھی گولی لگی تھی۔ وہ نہیں رہیں۔'' وہ بمشکل بول پایا۔ شاید اس کے گلے میں کوئی چیز اٹکی تھی' یا پانی یا کچھ ایسا جو پانی سے بھی گاڑھا تھا۔

''زرتاشہ مر گئی؟'' اس کی آنکھوں میں استعجاب ابھرا۔ یک ٹک وہ سعدی کو دیکھتی رہی۔ سعدی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ اس بار اس کو اس موقع پہ دینا نہیں چاہتا تھا مگر وہ پھپھو سے جھوٹ بھی نہیں بول سکتا تھا۔

''فارس کہاں ہے؟'' اس نے پھر پوچھا مگر اندھیرے بڑھتے گئے۔ عجیب سے اندھیرے تھے۔ وہ نہ کچھ سننے دیتے نہ کچھ بولنے دیتے۔ پلکیں بھی اٹھانے نہیں دیتے۔ وہ دوبارہ اسی کھائی میں ڈوبتی چلی گئی۔ پھر آنکھ کھلی تو منظر بدلا ہوا تھا۔ اب کے اس کا چہرہ بائیں طرف تھا۔ کھنکھریالے بالوں والا لڑکا نجانے کہاں تھا۔ بائیں جانب لڑکی کھڑی تھی' گلاسز والی خاموش مگر روئی روئی آنکھوں والی۔ وہ اس کو پہچانتی تھی' جانتی تھی یا نہیں یہ اس کو ابھی نہیں معلوم تھا۔ اس نے انہی ویران آنکھوں سے اس کو دیکھا اور لبوں پہ صرف ایک ہی سوال تھا۔ ''فارس کہاں ہے؟''

''وہ آئے تھے آپ کو دیکھنے صبح۔ علیشا بھی آئی تھی۔ ہم اس دن آپ کا انتظار کرتے رہے۔ ہمیں نہیں پتا تھا یہ سب ہو جائے گا۔'' وہ بولی تو اس کی آواز مدھم تھی۔ اس میں ہمدردی تھی' شاید کہیں پیار بھی تھا۔ زمر بس اس کو دیکھ رہی تھی۔ لڑکی قریب جھکی۔

''پھپھو آپ....'' وہ رکی' ہچکچائی۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟ ڈاکٹر کو بلاؤں؟''

''فارس کہاں ہے؟'' اس نے پھر پوچھا۔ اس سوال کا جواب کوئی نہیں دے رہا تھا۔

''ابھی شاید وہ گھر پہ ہی ہوں۔ وہ بہت اپ سیٹ ہیں۔ بہت زیادہ ٹوٹ گئے ہیں۔'' اور زمر یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ اسے سب یاد آنے لگا۔ اندھیری کھائیوں میں یادداشت کی روشنی ہر شے از سر نو زندہ کر لائی تھی۔ اسے ایک ایک چیز یاد تھی۔ دل میں اٹھتا درد پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ اور پھر اس نے ہلکی سی نگاہ جھکائی۔ اسے اپنے اوپر سفید چادر پڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے نگاہ پھر سے حنین کے چہرے پہ کی۔

''مجھے کیا ہوا ہے؟'' حنین خاموش رہی۔ اس نے نظر اٹھا کر سامنے کسی کو دیکھا جیسے کوئی سگنل مانگا ہو۔ شاید جواب نفی میں تھا تبھی وہ دوبارہ زمر کو دیکھنے لگی۔

''میرے گردے ضائع ہو گئے ہیں' ہے نا؟'' شاید اس نے خود ہی کچھ سنا تھا' شاید نیم بے ہوشی میں اس نے کچھ سنا تھا۔

''آپ کے گردے....'' وہ رکی ''متاثر ہوئے ہیں۔''

اس سے زیادہ مہذب الفاظ اس کو نہیں ملے تھے۔ زمر کے چہرے پہ حیرت نہیں آئی۔ دکھ بھی نہیں ابھرا۔ شاید وہ اپنی حالت بے ہوشی میں ایسا کچھ سن چکی تھی' شاید وہ کئی دفعہ سن چکی تھی۔ یقیناً وہ جانتی تھی' وہ صرف تصدیق چاہ رہی تھی۔ اب کے اس نے ہلکی سی گردن سیدھی کی۔ ہاں اتنا اسے یاد تھا کہ دوبارہ بے ہوش ہونے سے پہلے اس نے گردن سیدھی کی تھی۔ اب نہ وہ دائیں تھی نہ بائیں' درمیان میں تھی' معلق۔

سیاہ تارکول جیسی چادر اب کے سر سے سرکی تو وہ پلکیں بہتر طور پر جھپک پا رہی تھی۔ فربہی مائل خاتون اس کے سرہانے اب کھڑی تھیں۔ اس نے ہلکا سا ہاتھ اٹھانا چاہا تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ بہت محبت سے اس سے پوچھ رہی تھیں کہ وہ کیسی ہے؟ کیا کھانا پسند کرے گی؟ کیا اسے کہیں تکلیف ہے؟ کیا وہ ڈاکٹر کو بلائیں؟ کیا وہ اسے پانی دیں؟ وہ بس ان کو دیکھے گئی اور جب بولی تو سرگوشی میں۔

''فارس کہاں ہے؟'' ندرت کی آنکھوں میں اچنبھا سا ابھرا۔ زمر کا اس سے ایسا کوئی تعلق تھا تو نہیں جو وہ بار بار پوچھتی۔ شاید اس کی وجہ سے....

بہر حال زبردستی مسکراتے ہوئے قریب آئیں۔

''وہ گھر پہ ہے۔ شام کو آئے گا ادھر تمہیں دیکھنے۔ وہ بھی بہت پریشان ہے اس سب سے۔ بلکہ پریشانی تو ایک بہت چھوٹا لفظ ہے۔'' زمر یک ٹک ان کو دیکھتی رہی۔ ہر بات ہر لفظ اسے یاد تھا اور پھر ایک دم سے وہ چونکی۔ بدقت تمام اس نے گردن ادھر ادھر گھمائی۔ اس نے ان چند دنوں میں.... پتا نہیں کتنے دن تھے وہ' سب کے چہرے دیکھے تھے۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا' عینک والی لڑکی' وہ فربہی مائل خاتون۔ صرف ایک چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ بے حد خوف اور وحشت سے اس نے رخ ندرت کی طرف پھیرا۔

''ابا' ابا کدھر ہیں؟'' ندرت کی آنکھوں سے آنسو ابلنے کو بے تاب ہو گئے۔ اسے لگا کہ وہ کوئی اور خبر سننے جا رہی ہے' کوئی ایسی خبر جس کو سننے کے بعد اس کا دل بھی کام کرنا چھوڑ دے گا۔ اس نے کہنیوں کے بل اٹھنا چاہا مگر نہیں اٹھ سکی۔ جسم میں درد تھا' شدید درد۔ بے حد کرب سے اس نے دوبارہ پوچھا۔

''بتایئے ابا کہاں ہیں؟ جب تک آپ مجھے سچ نہیں بتائیں گی میرا دل انکار رہے گا۔'' مگر ندرت خاموش تھیں۔ انہوں نے سر جھکا لیا۔ پھر چہرہ موڑا' شاید آنسو پونچھنے کی کوشش کی۔

''کیا ابا بھی مر گئے؟'' اس کے لبوں سے نکلا۔ ندرت نے تڑپ کے رخ اس کی طرف پھیرا۔ آنسوؤں کو ابلنے دیا مگر نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں۔'' وہ رکیں ''وہ اب ٹھیک ہیں۔'' پھر چپ ہو گئیں۔

''اب.... اب سے کیا مطلب؟ انہیں کیا ہوا تھا؟'' وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی۔ اٹھنا بھی چاہتی تھی مگر اٹھ نہیں سکتی تھی۔ اس کے چہرے پہ تڑپ تھی۔ ایسا لگتا تھا بس وہ کسی طرح سب کچھ چھوڑ کر اس کمرے سے بھاگ جائے' اس اسپتال کے کمرے سے بھاگ جائے۔ مگر وہ جیسے مفلوج سی ہو کر رہ گئی تھی۔

''کدھر ہیں ابا؟'' الفاظ بمشکل حلق سے نکل رہے تھے۔

''ان کو فالج کا اٹیک ہوا تھا مگر اب وہ ٹھیک ہیں۔ وہ گھر پہ ہیں۔ ہم انہیں اسپتال نہیں لا سکتے۔ اب وہ ٹھیک ہیں زمر! تم پریشان مت ہو۔'' ندرت نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کو تسلی دی۔ وہ یک ٹک ان کو دیکھے گئی' بالکل خاموشی سے' جیسے ساری دنیا ختم ہو گئی ہو۔ اوپر اٹھنے کی کوشش ختم کر دی اور سر نڈھال طریقے سے تکیے پہ گرا دیا۔

''میرے ابا مفلوج ہو گئے؟ میرے حادثے کی وجہ سے؟ میرے ابا مفلوج ہو گئے؟'' اس نے ندرت سے سوال نہیں کیا تھا۔ خالی خالی نگاہوں سے چھت کو دیکھتے خود کو بتایا۔

ندرت کے پاس جواب تھا بھی نہیں۔ زمر کی گردن اب سیدھی تھی۔ ایک دفعہ پھر وہ نہ دائیں تھی نہ بائیں۔ چند گہری سانسیں لیں' آنکھیں بند کر کے کھول لیں۔ اب چیزیں بہتر نظر آ رہی تھیں۔ ندرت نے آہستہ سے اس کے قریب ہو کر کہا۔

''پولیس والے کب سے چکر لگاتے رہے ہیں۔ باہر بھی موجود ہیں۔ انہیں تمہارا بیان لینا ہے۔'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ تیار تھی۔

''ان کو اندر بھیجیں۔ ایک بیان ہے جو مجھے دینا ہے۔'' اس کی آواز اب بھی درد سے بھرپور اور ہلکی تھی مگر اس کی نوعیت مختلف تھی۔ سخت' منتقم' آگ سے بھرپور۔

❖❖❖

جو تخت و تاج کے مالک ہیں کیا وہ معتبر بھی ہیں ..... شرانگیزی میں ڈوبی حکمرانی کا تماشا کر

آفس کاریڈور بتیوں سے جگمگا رہا تھا۔ علیشا فون کان سے لگائے سبک رفتاری سے چلتے ہوئے بولتی جا رہی تھی۔

''ہاں حنین! تم بالکل بھی فکر مت کرو۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا بہتر کرے گا۔ میں آج ہی آؤں گی تمہاری آنٹی سے ملنے۔ اب وہ کیسی ہیں؟'' کاریڈور کا موڑ مڑتے ہوئے اس نے فکرمندی سے پوچھا۔ پھر دوسری طرف ملنے والا جواب سن کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے لفٹ کی طرف آئی۔

''تم بالکل پریشان مت ہونا۔ میں ضرور آؤں گی۔ خدا نے چاہا تو وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ کیا ان کی کڈنیز مکمل طور پر فیل ہو چکی ہیں؟'' لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے اس کے چہرے پہ سوگواریت اتری۔

''آئی ایم سوری حنین! چلو اوکے شام کو ملتے ہیں۔'' موبائل بند کیا اور سامنے دیکھا۔ لفٹ کے دروازے کھل چکے تھے۔ وہ اندر آئی۔ مطلوبہ فلور پہ انگلی رکھی اور گہری سانس لے کر گردن اکڑا کر خود کو جیسے کسی معرکے کے لیے تیار کیا۔ دروازے بند ہوئے۔ لفٹ اوپر کی طرف بڑھنے لگی۔ ہر گزرتی منزل علیشا کا اعتماد ڈگمگا رہی تھی۔ اسے لگا اس کا چہرہ سفید پڑ رہا ہے۔ اس نے رخ پھیر کر لفٹ کی دھاتی دیوار میں اپنا عکس دیکھا۔ پھر سیاہ سلکی بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ سرمئی آنکھوں کو سکیڑ کر تنقیدی نظروں سے دیکھا کہ کہیں وہ گھبرائی ہوئی تو نہیں لگ رہی' مگر نہیں۔ بظاہر وہ پراعتماد لگ رہی تھی۔ سرخ شرٹ' سفید پینٹس اور لمبی ہیل کی سینڈل میں ملبوس' کہنی پہ پرس ٹکائے وہ اندر سے جتنی ڈری سہمی تھی' اتنی لگ نہیں رہی تھی۔

مطلوبہ فلور آن پہنچا تھا۔ دروازے کھلے۔ وہ اسی اعتماد سے چلتی ہوئی راہداری میں آگے بڑھتی گئی۔ کتنے ہی آفسز کراس کیے۔ کتنے لوگوں کے سامنے سے گزری' بغیر نظر ملائے۔ اسے معلوم تھا کہ اسے کس آفس میں جانا ہے۔ سب سے بڑا آفس سب سے آخر میں تھا۔ علیشا اس کے قریب بس لمحے بھر کو ٹھہری۔ باہر موجود سیکرٹری نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟'' اس نے پکارا۔ علیشا ذرا سا مسکرائی۔

''اورنگزیب کاردار نے مجھے بلایا ہے۔ میری ان سے اپائنٹمنٹ ہے۔''

اس کی بات پر سیکرٹری قدرے اچنبھے سے اپنے نوٹس کھنگالنے لگی۔ علیشا نے گردن پھیر کر بند دروازے کو دیکھا۔ یہاں سے وہ اندر کا منظر نہیں دیکھ سکتی تھی۔

اندر آفس میں کنٹرول چیئر پر اورنگزیب کاردار اپنی مخصوص تمکنت کے ساتھ بیٹھے تنے ابرو کے ساتھ اس نوجوان کو سن رہے تھے جو سامنے کھڑا ایک پریزنٹیشن دکھا رہا تھا۔ وہ پی کیپ پہنے لاپروا سے حلیے والا نوجوان ان کا امیج کنسلٹنٹ بھی تھا اور کیمپین منیجر بھی۔ وہ کافی متانت اور اپنی عمر سے زیادہ سمجھداری سے بولتا ایک ایک چیز سمجھا رہا تھا جسے میز کے مقابل کرسی پہ بیٹھا' لیپ ٹاپ پہ کام کرتا ہاشم بہت ہی بیزاری سے ان کو نظرانداز کیے جا رہا تھا۔

''سر بظاہر ایسا لگتا ہے کہ آپ کے بھانجے پہ اپنے بھائی کے قتل کا آنے والا الزام آپ کے خلاف جائے گا لیکن....'' کیمپین منیجر نے پین اٹھا کر ڈرامائی انداز میں وقفہ دیا۔ ہاشم نے نگاہ پھیر کر مزید بیزاری سے اسے دیکھا۔ ہونہہ کر کے سر جھٹکا۔ اور دوبارہ سے لیپ ٹاپ پہ مصروف ہو گیا۔ ایک تو اس کنسلٹنٹ سے اسے چڑ تھی۔ وہ لڑکا وہ باتیں بتانے کے پیسے لیتا تھا جو وہ اپنے باپ کو مفت میں بتا سکتا تھا۔

''لیکن سر! ہم اس موقعے کو اپنے مفاد میں بھی استعمال کر سکتے ہیں۔'' اورنگزیب کاردار کے خفا چہرے پہ شکنیں ابھریں۔

''اور وہ کیسے؟''

''آپ جانتے ہیں کہ اس وقت آپ ضمنی انتخابات کے لیے کھڑے ہو رہے ہیں۔ ایسے میں کچھ کی پلیئرز اپنے مطلوبہ امیدواروں

کے بجائے آپ کو اٹھتے دیکھ کر آپ کے خلاف استعمال ہونے والا کوئی موقع ضائع نہیں کریں گے۔ اس لیے بجائے اس بات پر مدافعانہ انداز اختیار کرنے کے، ہم اس کو اپنے حق میں استعمال کر سکتے ہیں جیسے....'' جوش میں کہتے ہوئے وہ اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیبلٹ کو اورنگزیب صاحب کے پاس لایا اور ان کو کچھ دکھانے لگا۔ ''یہ وہ بیان ہے جو آپ پریس کے سامنے دیں گے جس سے ایسا لگے گا کہ آپ کو کہ اپنے بھائی کے اس عمل سے خفا ہیں، لیکن اپنے اثر و رسوخ کا استعمال کیے بغیر اس معاملے کو قانون پر چھوڑ رہے ہیں۔ آپ علی الاعلان یہ کہیں گے کہ بے شک ملزم میرا سگا بھانجا ہی کیوں نہ ہو، اگر وہ واقعی مجرم ہے تو اس کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیے....اور آپ اپنا کوئی بھی اثر و رسوخ استعمال کر کے اس کو وہاں سے نکالنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ایسی صورت میں آپ کو ایک انصاف پسند شخص کی حیثیت سے دیکھا جائے گا۔''

اورنگزیب نے بگڑ کر اس کو دیکھا۔ ''یعنی کہ میں فارس کو اس معاملے سے نکالنے کی کوئی کوشش نہ کروں؟'' کیمپین منیجر احمر شفیع مسکرا اور چٹکی بجائی۔

''یہی تو ساری گیم ہے سر! آپ کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو وہ اس اسکینڈل پہ پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا۔ لیکن آپ کے مخالفین کسی بھی صورت آپ کو اس اسکینڈل کو کور کرنے نہیں دیں گے، تو پھر کیا ہی اچھا ہو کہ ہم بھی اسے کور کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ ہم انہی کا داؤ انہی پہ کھیل جائیں۔ دیکھیں....'' وہ اب اپنی اس اسٹریٹجی کی مزید مین میخ سمجھانے لگا۔ اورنگزیب بظاہر برے موڈ کے ساتھ لیکن توجہ سے سن رہے تھے۔ ہاشم نے نگاہ اٹھا کر دوبارہ بے حد بیزاری اور تلخی سے ان دونوں کو دیکھا اور پھر کی بورڈ پہ ٹائپ کرنے لگا۔ اس کو جس خبر کا انتظار تھا، زمر کے بیان کا، وہ آ کے نہیں دے رہی تھی۔ پانچ دن ہو چکے تھے زمر کو گولی لگے۔ فارس آزاد گھوم رہا تھا، بیوی کی موت کا سوگ منا رہا تھا، اور فی الحال کوئی بھی نہیں تھا جو یہ کہہ سکے کہ یہ قتل فارس نے کیا ہے۔ گو کہ ہوٹل کے کمرے سے مخبری کے بعد گن برآمد کر لی گئی تھی، مگر فارنزک رپورٹ کو اس نے ابھی روک رکھا تھا۔ فارنزک اور فنگر پرنٹ رپورٹ زمر کے بیان کے بعد آنی چاہیے، یہ پلان تھا، مگر زمر....اگر زمر مر گئی....اف....اس سے آگے وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ ایک لاش کا مزید بوجھ اپنے کندھوں پر....نہیں!

وہ سر جھٹک کر اپنی ای میل کھولنے لگا۔ خاور نے دو روز پہلے اس کو فارس کی ایلی بائی لڑکی کی تفصیلات بھیج دی تھیں۔ اس کے واہے درست تھے۔ وہ علیشا ہی تھی۔ مگر اس نے ہاشم سے رابطے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی سے ملنے ادھر آئی تھی، ہاشم کو معلوم تھا، اسی لیے اس نے بھی علیشا کو نہیں چھیڑا۔ وہ خود چل کر اس کے آفس آئے گی۔ کب؟ وہ منتظر تھا۔ باہر کھڑی علیشا نے سیکرٹری کو نفی میں سر ہلاتے دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی۔

''آپ کی کوئی اپائنٹمنٹ ریکارڈ نہیں ہے۔ کیا آپ پھر سے اپائنٹمنٹ لینا چاہیں گی؟'' مگر علیشا سنے بغیر مڑی اور تیزی سے دروازے کی طرف آئی۔ اس سے پہلے کہ کوئی اسے روک پاتا، اس نے دروازہ کھول لیا۔

سب سے پہلے ہاشم نے چونک کر دیکھا تھا اور پھر وہ ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ بالکل سپاٹ، سرد سا۔ اورنگزیب نے ہاتھ میں پکڑے ٹیب پہ احمر شفیع کی پریزینٹیشن دیکھتے جیسے سر اٹھایا تو وہ بھی ایک دم بالکل ٹھہر سے گئے۔

وہ دروازے میں کھڑی تھی اور سیکرٹری پیچھے سے آ کر اسے روکتے ہوئے سخت سست سنا رہی تھی۔ اورنگزیب صاحب کے ساتھ جھکے کنسلٹنٹ لڑکے نے باری باری ان دونوں باپ بیٹے کے تاثرات دیکھے اور پھر سیدھا ہوا۔ سیکرٹری کو اشارہ کیا۔ وہ خاموش ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ علیشا دو قدم مزید اندر آئی۔ وہ مسلسل اورنگزیب کا ردار کو دیکھ رہی تھی، بنا پلک جھپکے، سپاٹ چہرے کے ساتھ، جیسے تاثرات چھپانے کی کوشش کر رہی ہو۔ ہاشم ایک دم مڑا۔ سختی سے احمر کو دیکھا۔ ''باہر جاؤ، فوراً۔''

کنسلٹنٹ لڑکا سر اثبات میں ہلاتے ہوئے دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا سمجھانے لگا۔

''سر! اگر تو یہ کوئی اسکینڈل ہے تو میرا خیال ہے میرا یہاں موجود ہونا سب سے ضروری ہے۔ کیونکہ میں ہی آگے پیش آنے والی

ء ، ت حال کا تجزیہ کرسکتا ہوں اور میں ہی آپ کو بہتر طریقے سے گائیڈ کرسکتا ہوں کہ آپ کو اس سچوایشن کو کس طرح ہینڈل کرنا ہے کیونکہ ں نے ....''

ہاشم گھوم کر اس طرف آیا۔ باپ کے ہاتھ سے ٹیب لے کر کنسلٹنٹ کو دے مارنے کے انداز میں تھمایا۔ اسے کہنی سے پکڑا' کھینچ کر دروازے تک لے کے گیا اور ہکا بکا سے احمر کو باہر نکال' گویا دفعان کر کے دروازہ بند کیا۔ پھر واپس مڑ کر علیشا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ سخت شعلہ بار نظروں سے اسے گھورا۔

''کیا چاہیے؟ کس لیے آئی ہو؟''

اورنگزیب بھی اب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے اور تیکھی خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ علیشا نے نظروں کا رخ ہاشم کی طرف پھیرا۔ پھر خود کو بااعتماد ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

''پیسے چاہییں۔'' ہاشم نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ گھوم کر آگے آیا اور باپ کی کرسی کے ساتھ جا کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں ایک سمت تھے اور ان کے مقابل علیشا میز کے دوسری جانب کھڑی تھی۔ اپنے پرس کے ہینڈل کو مضبوطی سے پکڑے خود کو مضبوط رکھتے ہوئے۔

''میں بہت پیسے دے چکا ہوں تم ماں بیٹی کو۔ اب کیا چاہیے؟'' اورنگزیب بولے تو انداز میں حقارت تھی۔

''جس پیسے کی بات آپ کر رہے ہیں' میں آپ کو یاد دلاتی چلوں وہ میری ماں کے اس علاج پر خرچ ہوئے تھے جو ان کو آپ کی مار پیٹ کی وجہ سے کروانا پڑا۔'' وہ جذبات کو قابو میں رکھے' ضبط سے ایک ایک حرف ادا کر رہی تھی۔ ''آپ کو شاید بھول گیا ہے کہ میری ماں کو چھوڑتے وقت آپ نے اسے بری طرح مارا پیٹا تھا جس کے باعث وہ کئی ہفتے ہسپتال میں رہی تھیں۔ ان کی بیک بون متاثر ہوئی تھی۔ اور ان کے میڈیکل بلز پے کرتے کرتے ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں چھ سال پہلے تھے۔''

اورنگزیب نے استہزائیہ انداز میں ناک سے مکھی اڑائی۔ ''تم میرے خلاف کہیں پہ کچھ ثابت نہیں کرسکتیں۔''

علیشا نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''یہ تو بالکل درست بات ہے۔ کیونکہ جب میں نے آپ پر سو کرنا چاہا تھا تو آپ کے ماہر وکیل بیٹے نے....'' ایک زخمی نظر ہاشم پہ ڈالی اور پھر اورنگزیب کو دیکھنے لگی۔ ''عدالت میں جیوری کے سامنے یہ ثابت کر دیا تھا کہ نا صرف میری ماں سیڑھیوں سے اپنی غلطی کی وجہ سے گری تھی' بلکہ وہ دماغی توازن سے محروم عورت ہے۔ شاید اس میں سارا کمال آپ کے بیٹے کا بھی نہیں ہے کیونکہ جس لا فرم نے میرا کیس Pro Bono لیا تھا' اگر وہ میرے وکیل کے طور پہ ایک ناتجربہ کار فرسٹ ایر ایسوسی ایٹ کو نہ مقرر کرتے تو شاید ہم عدالت میں اتنی بری طرح سے بے عزت نہ ہوتے۔ چاہے یہ ملک ہو یا میرا ملک' قانون وہاں بھی آپ کا تھا' یہاں بھی آپ کا ہے۔ اس لیے میں لمبی بات نہیں کروں گی۔'' کہتے ہوئے وہ رکی۔ اندر سے دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔ چند گہرے سانس لے کر اس نے خود کو دوبارہ بہادر ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ دونوں باپ بیٹا تندی سے اس کو گھور رہے تھے۔ دو قدم آگے آئی' میز کے سامنے پڑی کرسی کی پشت پہ ہاتھ رکھا اور جی کڑا کر کے پھر سے بولنے لگی۔

''میں ہارورڈ جانا چاہتی ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ میں سارے ٹیسٹ کلیئر کرلوں گی۔ اگر مجھے صرف اتنی امید ہو کہ میری ٹیوشن فیس پے کر دی جائے گی اور چونکہ آپ میرے والد ہیں اور ناجائز ہی سہی' مگر میں آپ کی بیٹی ہوں۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ مجھے سپورٹ کریں۔ میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ مجھے کوئی جذباتی اٹیچمنٹ ہے آپ سے نہ کوئی امید' صرف پیسے چاہئیں۔ آپ کے پاکستانی روپوں میں چند ملین کی بات ہے۔ آپ کے لیے تو یہ کچھ بھی نہیں ہے۔ صرف چند ملین۔'' اس نے رک کر موہوم سی امید سے دونوں باپ بیٹا کو دیکھا۔ پھر ایک کاغذ سامنے رکھا جس پہ اس کی تعلیم پہ اگلے چند سالوں میں خرچ آنے والی رقم کی تفصیل تھی۔

ان کے تاثرات ایک جیسے رہے۔ سخت' سرد۔

''اور تم یہ سب کہنے اس وقت آئی ہو جب میرا باپ الیکشن میں حصہ لے رہا ہے۔ تمہارا خیال تھا کہ ایک اسکینڈل کے خوف سے ہم تمہیں پیسے دے دیں گے اور تم ہنسی خوشی رہو گی؟'' ہاشم نے یہ کہتے ہوئے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ ''تمہاری جیسی بہت سی لڑکیاں گزری ہیں جنہوں نے آ کر عزت دار لوگوں پہ الزام لگائے۔ مگر یو نو واٹ علیشا! وہ لڑکیاں وہ عورتیں' وہ کہیں بھی نہیں ہیں۔ آج کسی کو وہ یاد بھی نہیں ہیں۔ لیکن وہ مرد جن پہ انہوں نے الزام لگائے' چاہے سچے چاہے جھوٹے' وہ مرد آج بھی خبروں میں ہیں۔ وہ مرد آج بھی طاقت میں ہیں۔ آج بھی حکومت کر رہے ہیں۔ تمہارا کوئی مستقبل نہیں ہے علیشا۔ تم جہاں سے آئی ہو وہاں چلی جاؤ۔ کیونکہ اگر اس سے زیادہ تم ہمیں ڈسٹرب کرو گی تو میں تمہارے ساتھ بہت برا پیش آؤں گا اور تم یہ بات جانتی ہو۔'' اس کی مسکراہٹ اب سنگین نتائج کی دھمکی میں بدل چکی تھی۔ علیشا کی آنکھوں میں سرخ سی نمی ابھرنے لگی۔ اس کے لب کپکپائے۔

''میں آپ کی بہن ہوں۔''

''تم میرے لیے ایک ایسا مسئلہ ہو جس کو میں کبھی حل نہیں کرنا چاہوں گا۔ تم اور تمہاری ماں میرے باپ کے پیسے پہ happily everafter رہنا چاہتے ہو جبکہ ایسا نہیں ہو گا۔''

''میں وہ بات ساری زندگی یاد رکھوں گی'' ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں''... کیس جیتنے اور مجھے خیرات کی طرح ماں کے علاج کی رقم دینے کے بعد آپ نے مجھے یہ کہا تھا۔ میں چیونٹی ہی ہوں اور میں جانتی ہوں کہ چیونٹیاں کیا ہوتی ہیں مگر شاید آپ خود بھی نہیں جانتے ہاشم!'' وہ تیکھی نظروں سے دیکھ کر بولی۔ ہاشم پہلی بار استہزائیہ مسکرایا۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں اس بات سے بے خبر تھا کہ تم یہاں پر ہو تو تم غلط ہو۔'' یہ کہتے ہوئے ہاشم آگے آیا۔ اپنے لیپ ٹاپ پہ جھکا' چند بٹن دبائے اور اسکرین اس کی طرف کی۔ یہ خاور کی ای میل تھی جس میں اس نے علیشا کے ٹکٹ کی کاپی اور اس کے ہوٹل میں ٹھہرنے کے دوران دیے گئے تمام کاغذات کی کاپی چند ایک دوسری معلومات کے ساتھ دو روز پہلے بھیجی تھی۔ علیشا نے پہلے اسکرین کو دیکھا پھر چونک کر ہاشم کو۔

''میں تمہارے یہاں آنے کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ تم یہاں پر کسی نیٹ جیوڈاکومنٹری کے لیے نہیں آئی تھیں جیسا کہ تم نے میرے کزن اور میری بھانجی کو بتایا تھا۔ میں جانتا تھا تم یہاں پر ہمارے لیے آئی ہو۔ پیسے مانگنے یا بلیک میل کرنے یا دھمکی دینے' کیونکہ تم خود کو ہمارے خاندان کا حصہ سمجھتی ہو' جبکہ ایسا نہیں ہے۔ اور تمہیں معلوم ہے میں تمہارا یہاں پہ انتظار کیوں کر رہا تھا؟'' وہ لیپ ٹاپ کی اسکرین فولڈ کر کے سیدھا ہوا۔ دوبارہ اس کے سامنے آیا' قد میں اس سے کافی لمبا تھا' گردن جھکا کر سفید پڑتی علیشا کو تندی سے گھورتے ہوئے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولا۔

''اس لیے نہیں کہ مجھے تمہیں انکار کرنا تھا یا کوئی دھمکی دینی تھی۔ صرف ایک سوال تھا۔ تم نے میرے خاندان کو ٹارگٹ کیوں کیا؟ میں قطعاً نہیں مان سکتا کہ تم بالکل اتفاق سے میرے کزن کی ایلی بائی ہو۔ تم بالکل اتفاق سے اس کی بھانجی کی دوست ہو۔ میں علیشا' اتفاقات پہ یقین رکھنے والا آدمی بالکل نہیں ہوں۔ اس لیے تم ابھی مجھے بالکل سچ سچ بتاؤ گی کہ تم نے میری بھانجی کو دوست کیسے بنایا؟'' یہ سب علیشا کی توقع سے زیادہ تھا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ اس نے خشک لبوں پہ زبان پھیری۔ ایک قدم پیچھے ہٹی۔ مدد طلب نظروں سے پاور سیٹ پہ بیٹھے اورنگزیب کا ردار کو دیکھا جو حقارت اور رعونت سے اسے دیکھ رہے تھے' پھر قدرے ہراساں نظروں سے ہاشم کو۔ اس کا سارا اعتماد زائل ہو رہا تھا۔ اسے یاد تھا چند برس پہلے جب ہاشم اس کے گھر آیا تھا' چیک منہ پہ مارنے کسی خیرات کی طرح اور تب اس نے اسے کہا تھا۔

''تم Happily Ever After رہنا چاہتی ہو۔ ایسا نہیں ہو گا۔ تم Ants Ever After ہو (ہمیشہ چیونٹیاں ہی) تم اور تمہاری ماں ایسے ہی رہو گے۔'' اور اس نے یہ بات لکھ کے رکھ لی تھی۔ اپنے کمرے میں' ڈائریز پہ' الماری کے اندرونی دروازوں پہ' فوٹو البم

ں کی تصویروں کے پیچھے اپنے کی چین پہ علیشا نے یہ بات ہر جگہ پہ لکھ کے رکھ لی تھی۔ سوائے اپنے دل کے۔ اور آج یہ الفاظ اس کے سیدھے دل پہ آ کے لگے تھے۔

''حنین میری دوست ہے۔ اس سے زیادہ میں کسی چیز کی وضاحت نہیں دینا چاہتی۔'' ہاشم چند لمحے کے لیے بالکل خاموش ہو گیا۔

''اگر تم چاہتی ہو کہ میں مستقبل میں کبھی تمہاری کوئی امید پوری کروں تو ہو سکتا ہے تمہارے سچ بتانے سے میں واقعی تمہاری کوئی امید پوری کر سکوں۔'' وہ اب کے بولا تو لہجے میں ذرا نرمی تھی۔ اورنگزیب نے ناگواری سے ہاشم کو دیکھا مگر بولے کچھ نہیں۔ انہیں معلوم تھا کہ ہاشم یہ سب اس سے کچھ کہلوانے کے لیے کہہ رہا ہے۔ علیشا کو حوصلہ ہوا۔

''شاید آپ بھول گئے میں کمپیوٹرز میں اچھی ہوں۔ میں نے آپ کے والد (اس نے ''آپ کے'' پہ زور دیا) کا ای میل ہیک کر رکھا تھا اور میں دیکھتی تھی کہ وہ کس طرح ایک چھوٹی لڑکی کو ای میلز بھی کرتے تھے اس کی میلز کا جواب بھی دیتے تھے اور اس کو سراہتے بھی تھے۔ میں صرف یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ آخر اپنے خون کو چھوڑ کر کسی اور کی بیٹی سے اتنا پیار کوئی کیسے رکھ سکتا ہے؟''

''اور اب تم اس کسی اور کی بیٹی کو نقصان پہنچانا چاہتی ہو؟ رائٹ؟''

ہاشم کے چہرے کی سختی لوٹ آئی۔ وہ ایک قدم مزید آگے بڑھا اور علیشا دو قدم پیچھے ہٹی۔ وہ اب خوف زدہ نظر آ رہی تھی' جیسے اسے لگ رہا ہو ہاشم ابھی اس پر جھپٹ پڑے گا۔

''تم نے اسے کیسے ٹریپ کیا؟ بالکل سچ سچ بتانا' ورنہ مجھے سچ نکلوانے کے بہت سے طریقے آتے ہیں۔'' علیشا کی گردن خود بخود نفی میں ہلی۔ حلق سوکھ چکا تھا۔ لمحے بھر کی نرمی نے اسے دھوکا دیا تھا۔

''میں نے اسے ٹریپ نہیں کیا۔ میں وہ گیم کھیلنے لگی جو وہ کھیلتی تھی۔ مجھے معلوم تھا وہ مجھے کانٹیکٹ کرے گی اور پھر ہم دوست بن گئے۔'' پھر اس کے چہرے پہ بے چینی ابھری۔ ''ہم واقعی دوست ہیں۔ پلیز اس کو کچھ مت کہنا' پلیز۔''

وہ کمزور پڑ گئی۔ وہ جانتی تھی وہ اس طاقتور اور رعب دار باپ بیٹے کے سامنے کمزور پڑ جائے گی اور بالکل ایسا ہوا تھا۔ ایسا ہی ہونا تھا۔

''میں اس کو بہت پسند کرتی ہوں۔ وہ میری بہت اچھی دوست ہے۔ پلیز میری اور اس کی دوستی کو کسی اور نظر سے مت دیکھو۔'' ہاشم نے گہری سانس لی۔ اثبات میں سر ہلایا۔ اپنی سابقہ کرسی کھینچی' بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور گردن اٹھا کر تمکنت اور رعونت سے علیشا کو دیکھا۔

''اب تمہیں جو کرنا ہے کر لو کیونکہ تمہیں میرے پاس سے ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملے گی۔ اپنے ملک واپس جاؤ' محنت مزدوری کرو اور پھر جس اسکول میں جانا ہے جاؤ۔ اور نہیں تو کہیں اسکالرشپ کے لیے اپلائی کر دو۔ کوئی نہ کوئی تم پہ ترس کھا کے کچھ دے دے گا۔ لیکن وہ شخص کم از کم میرا باپ نہیں ہو گا۔'' اس کے بعد سختی سے انگلی اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ ''آؤٹ۔'' علیشا کی آنکھوں میں ابھرتی نمی بڑھنے لگی۔ اس نے تڑپ کر اپنے باپ کو دیکھا۔

''خداوند تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' مڑی اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اس کا یہاں آنا' اس کا یہاں ٹھہرنا' ان کے پاس آ کے منت کرنا سب بیکار لگ رہا تھا۔

اس کے نکلتے ہی ہاشم کے تاثرات بدلے۔ وہ تیزی سے اٹھا۔ اورنگزیب کے چہرے پہ بھی اب قدرے تفکر تھا۔

''ہاشم!'' انہوں نے پکارا مگر اس سے پہلے ہی وہ ان کی طرف گھوما۔ میز پہ ہاتھ رکھے ان کے سامنے جھکا اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر چبا چبا کر بولا۔ ''میں ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی آپ کا پھیلایا کچرا صاف کر لوں گا کیونکہ ہاشم ہے ہی اس کام کے لیے۔ ہاشم ہر چیز سنبھال سکتا ہے' یہ بھی سنبھال لے گا۔ لیکن میری بات یاد رکھیے گا۔ اگر میری ماں کو اس بارے میں کچھ بھی پتا چلا یا وہ ہرٹ ہوئیں تو میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گا۔''

پھر سیدھا ہوا۔ اپنا لیپ ٹاپ اٹھایا اور انہیں گھور کر دیکھتا مڑ کر باہر نکل گیا۔ اورنگزیب غصے سے منہ میں کچھ بڑبڑا کر سر جھٹک کر رہ گئے۔ ابھی فارس کا مسئلہ ختم نہیں ہوا تھا کہ ایک اور مسئلہ آن پہنچا تھا۔ برے وقت کی ایک غلطی۔ اف!

.....❖❖❖.....

شیشہ گروں نے اس کی بصیرت بھی چھین لی ..... آنکھیں تھیں اس کے پاس مگر دیکھتا نہ تھا

اسپتال کا ویٹنگ روم یخ ٹھنڈا تھا۔ حنین گھٹنے ملا کر سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ علیشا ساتھ کھڑی اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھے تسلی دینے والے فکرمند انداز میں کہہ رہی تھی۔

''آئی ایم سوسوری' جو بھی تمہاری آنٹی کے ساتھ ہوا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ان کے زخم اتنے گہرے ہوں گے۔ مجھے بتاؤ کیا میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی ہوں؟'' وہ بے حد پرملال نظر آ رہی تھی۔ چہرے پہ چند گھنٹے پہلے کی ہاشم کے ساتھ کی گئی ملاقات کا اثر اور شکستگی ابھی تک برقرار تھی۔ اور وہ حنین کے لیے فکرمند بھی تھی۔

حنین نے سوگواریت سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے چہرہ اٹھایا۔ عینک کے پیچھے اس کی آنکھوں میں بے حد دکھ تھا۔

''میرا نہیں خیال ہم پھپھو کے لیے اب کچھ کر سکتے ہیں۔ میں ان کے لیے پہلے بھی کچھ نہیں کر سکی تھی۔ اب مجھے ہر اس رویے پر شرمندگی ہے جو میں نے ان کے ساتھ رکھا۔''

علیشا اس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے اس کے ساتھ بیٹھی۔ پرس اپنے قدموں کے قریب رکھا اور پھر سمجھانے والے انداز میں کہنے لگی۔

''تم پرانی باتوں کو بھول جاؤ۔ دلوں کے سارے میل دھو ڈالو۔ جن رشتوں کی مشترک شے ''خون'' ہوتی ہے' وہ ایک دوسرے کی طرف پلٹ کے ضرور آتے ہیں۔'' حنین بے دلی سے اس کی ساری باتیں سنتی گئی۔ کسی بات سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ اس کی پریشان نگاہیں بار بار کوریڈور کی طرف اٹھتی تھیں جس کے پار کمرے میں زمر تھی۔ اس نے بیان دینے کے لیے رضامندی ظاہر کی تھی اور ابھی پولیس آ گئی تھی۔ تب سے سعدی اور پولیس آفیسرز باہر نہیں نکلے تھے۔

''تمہاری امی کدھر ہیں؟ میں ان سے افسوس ہی کر لیتی۔'' علیشا رکی' پھر وضاحت دینے والے انداز میں بولی۔

''آئی ایم سوری۔ میں پچھلے کچھ دن بہت مصروف رہی' اپنی ڈاکومنٹری کے سلسلے میں۔'' کہتے ہوئے اس کے چہرے کا رنگ قدرے پھیکا پڑا مگر حنین نے نوٹ نہیں کیا۔ علیشا نے شکر ادا کیا۔ اپنی دوستی کو کسی بھی قیمت پہ وہ داؤ پہ نہیں لگانا چاہتی تھی۔

''وہ میرے دادا کے پاس ہیں۔ ان کو گھر شفٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ بہت بیمار ہیں۔ پھپھو کے حادثے نے ان پہ بہت برا اثر ڈالا ہے۔'' وہ آہستہ آہستہ پیش آنے والے تمام حالات بتانے لگی۔ علیشا سنتی گئی۔ ان سے ہٹ کر کوریڈور کے اس پار کمرے میں زمر بستر پہ لیٹی تھی۔ چادر گردن تک ڈالے سرہانے کی طرف سے بیڈ اوپر کو اٹھا تھا اور وہ تکیوں سے ٹیک لگائے سپاٹ چہرے اور خشک ویران آنکھوں کے ساتھ اپنے سینے پہ رکھے باہم ملے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ سعدی اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ بالکل ساتھ۔ دو پولیس والے سامنے موجود تھے۔ بیان قلم بند کیا جا رہا تھا۔

''پھر فارس غازی نے مجھے کال کر کے جگہ کی تبدیلی کا بتایا۔ اس کے کہنے پہ میں اس ریسٹورنٹ گئی جہاں پہ اس نے مجھے بلایا تھا۔'' سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ یہ بات فارس یا حنین نے اسے نہیں بتائی تھی۔

''ریسٹورنٹ میں جانے کے بعد کیا ہوا؟'' اے ایس پی سرمد شاہ پوچھ رہا تھا۔ زمر نے جواب دینے کے لیے نگاہیں اٹھائیں۔ پہلے اس کو دیکھا' پھر گردن پھیر کر سعدی کو اور ایک ہاتھ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی اس کا ہاتھ پکڑتے قریب ہوا۔ جیسے کوئی مورل سپورٹ تھی

ں کی اس کو ضرورت تھی۔ اب کے اس نے زیادہ اعتماد سے پولیس آفیسر کو دیکھا اور بولی تو آواز ٹھنڈی تھی۔

''فارس نے مجھے کال کی اور اس نے مجھے کہا کہ اسی نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ اور یہ کہ اس کے پاس کوئی ایلی بائی نہیں تھا....''

عدی نے کرنٹ کھا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالا۔ بے حد بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا جو فارس کے کہے تمام الفاظ من وعن دہرا رہی تھی۔

''زمر؟'' اس نے استعجاب سے پکارا۔ زمر رکی۔ اپنے خالی رہ جانے والے ہاتھ کو دیکھا اور پھر سعدی کو۔ یہ اس کے لیے غیر متوقع تھا۔ آفیسر پوچھ رہا تھا کہ پھر کیا ہوا اور زمر سعدی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ بالکل گنگ تھا۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ماموں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔''

''سعدی میں ادھر تھی۔ فارس نے مجھے کال کیا۔ اس نے یہ سب مجھے کہا۔ یہ سب جو میں نے ابھی لکھوایا ہے۔ اور پھر اس نے کہا کہ وہ مجھے صرف ایک گولی مارے گا' وہ بھی دل میں۔ لیکن اس نے مجھے تین گولیاں ماریں۔ اس نے کہا کہ وہ اپنی بیوی کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے اور مجھے بھی۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔ اس نے شوٹ کیا۔ آپ اس کے گھر جائیں اس کی گنز تلاش کریں۔ اس کے پاس گنز کی ایک بہت بڑی کلیکشن ہے۔ مجھے یقین ہے انہی میں سے کوئی گن اس نے ہمارے اوپر استعمال کی ہوگی۔ میں تو یہ سمجھ نہیں پا رہی کہ وہ ابھی تک آزاد کیوں گھوم رہا ہے۔ سعدی تم میری بات سن رہے ہو؟'' آخری الفاظ کہتے ہوئے اس کا اعتماد کم ہو رہا تھا۔ سعدی بے حد بے یقینی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے دو قدم پیچھے ہٹا۔

''زمر! آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔'' پھر تیزی سے وہ آفیسرز کی طرف مڑا۔

''آپ پلیز اس کو بند کر دیں۔ مجھے اپنی پھپھو سے بات کرنی ہے۔ یہ بیان اس کے بعد بھی لیا جا سکتا ہے۔ پلیز آپ ابھی باہر جائیں۔'' وہ ان کو باہر بھیجنا چاہتا تھا۔ زمر کے چہرے کا رنگ بدلا' لب بھنچ گئے۔ اس نے قدرے غصے سے سعدی کو دیکھا۔

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے۔ اس نے کہا' اس نے اپنے بھائی کو قتل کیا ہے۔ اس نے کہا وہ اپنی بیوی کو اور مجھے قتل کرنے جا رہا ہے۔ اور اس نے ہم پہ گولی چلائی۔ یہ گولی فارس نے چلائی۔ میں اس بات کی گواہ ہوں۔''

''زمر پلیز خاموش ہو جائیں۔ کچھ بھی مت کہیں۔ یہ سب کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ پلیز خاموش ہو جائیں۔'' وہ بے حد الارمڈ سا ہو کر اس کو باز رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح پولیس والوں کو وہاں سے نکالے۔

''سعدی میری بات سنو۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میرا دماغی توازن بھی بالکل برقرار ہے۔ میں کسی بھی Duress میں آ کر یہ بیان نہیں دے رہی۔ میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف ہوں۔ میری ایک کریڈیبلٹی ہے۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔ یہ سب فارس نے کیا ہے۔ اس نے اپنے بھائی کو مارا۔ اسی نے ہمیں بھی مارنا چاہا۔ آپ اس کو بلا لیں۔ آپ اس کو میرے سامنے لا کر یہ سب پوچھ سکتے ہیں۔''

''زمر پلیز خاموش ہو جائیں۔'' وہ تڑپ کر اس کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن زمر نے دیکھا سعدی کا ہاتھ اب اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اس نے اپنا خالی ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔ چہرے کے تاثرات مزید سرد ہو گئے۔ اے ایس پی سر مد آگے بڑھا۔ سعدی کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور تنبیہی انداز میں اس کو دیکھا۔

''آپ باہر چلے جائیں۔ اور اگر آپ نے کال کر کے فارس غازی کو متنبہ کرنے کی کوشش کی تو میں آپ کو قانون کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے جرم میں گرفتار کر سکتا ہوں۔ اور مجھے امید ہے کہ آپ کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کریں گے جس کا نقصان صرف اور صرف آپ کے ماموں کو ہوگا۔'' دوسرے آفیسر نے دروازہ کھولا۔ وہ سعدی کو باہر جانے کا کہہ رہے تھے۔ وہ پھر بھی اس کو دیکھتی رہی بظاہر سپاٹ سرد نظروں سے لیکن ان میں جیسے بے چینی تھی' امید تھی۔ وہ ابھی آئے گا اور اس کا ہاتھ تھام کر کہے گا' میری پھپھو سچ کہہ رہی ہیں' میری پھپھو جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ مگر وہ بے یقین حق دق سا لڑکا مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ''یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ میرے ماموں ایسا نہیں کر سکتے۔

میں سچ کہہ رہا ہوں میری بات سنیں۔آپ پلیز یہ بیان روک دیں۔'' مگر آفیسر نے اس کی اگلی بات نہیں سنی تھی۔اس نے بہت عزت اور احترام سے اس کی کہنی کو تھامے اس کو باہر کا رستہ دکھایا اور دروازہ بند کر دیا۔زمر نے آنکھیں بند کیں' چند گہرے سانس اندر اتارے۔اور پھر کھولیں تو وہ پہلے سے زیادہ خود کو سمیٹ چکی تھی۔اس نے کہنا شروع کیا۔وہی سب جو اس کے نزدیک سچ تھا اور یہ سب کہتے ہوئے اس کی نظروں کے سامنے اسپتال کے بستر پہ لیٹا اپنا وجود تھا' نہ ہی اردگرد لگی نالیاں تھیں' مشینز اور فضا میں رچی بسی اسپرٹ کی عجیب سی بو.....ناکارہ گردے.... ڈائلیسز والی زندگی.....کچھ بھی نہ تھا.....صرف فالج زدہ بڑے ابا تھے.....صرف وہی۔

بے حد مضمحل اور پریشان سا سعدی باہر آیا۔کوریڈور سے گزرتے ہوئے وہ ویٹنگ روم کے سامنے رکا' پھر تیزی سے اندر آیا۔حنہ اور علیشا وہاں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

''حنین!'' اس کے انداز پہ حنین بے اختیار اٹھ کھڑی ہوئی۔متفکر نگاہوں سے اس کا چہرہ کھوجا۔'' کیا ہوا بھائی؟''

''جب تم اور ماموں اور....'' ایک نگاہ ساتھ کھڑی فارنرلڑکی پہ ڈالی' پھر حنین کو دیکھا۔'' تمہاری فرینڈ زمر کا انتظار کر رہے تھے ہوٹل میں' کیا تب ماموں نے ان کو کوئی کال کی تھی؟'' حنین نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''کیا مطلب؟ کیسی کال؟''

''حنین! جب تم سب لوگ ساتھ تھے تو کیا ماموں نے زمر کو کسی ریسٹورنٹ میں بلایا تھا؟ انہوں نے انہیں کوئی کال کی تھی؟ جس میں انہوں نے کہا کہ وہ۔'' وہ رکا۔یہ الفاظ تو وہ خود بھی ادا نہیں کر پا رہا تھا۔بمشکل ہمت مجتمع کر کے بولا۔

''انہوں نے کہا کہ وہ' وہی وارث ماموں کے قاتل ہیں اور وہ زمر کو بھی مارنا چاہتے ہیں اور زرتاشہ آنٹی کو بھی۔'' حنین کے چہرے پہ پہلے حیرت ابھری اور پھر شدید شاک۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔'' پھر اس نے علیشا کو دیکھا۔''علیشا.....ہم سب ساتھ تھے۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔انہوں نے ایک دو دفعہ کال کی تھی مگر پھپھو کا فون بند جا رہا تھا۔'' علیشا نے بھی اتنی ہی الجھن سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

''میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی لیکن ہم لوگ کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ وہیں پہ رہے۔میرے ہوٹل کے کمرے میں۔اور ہم باتیں کرتے رہے تھے یا زیادہ وقت خاموش رہے تھے۔پھر فون آیا کہ زرتاشہ کو گولی لگی ہے جو حنین کے انکل کی بیوی تھی۔اس پر یہ دونوں اکٹھے وہاں سے نکل گئے۔'' سعدی اس کی طرف مڑا۔اس نے ٹھہر ٹھہر کر اس سے پوچھا۔

''کیا جب تم لوگ ساتھ تھے' تم تینوں' تو کسی ایک لمحے کے لیے بھی فارس ماموں تم لوگوں سے الگ ہوئے تھے؟'' حنین اور علیشا دونوں نے نفی میں سر ہلایا۔''نہیں۔ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا بھائی۔مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔کنپٹی دونوں ہاتھوں سے مسلی۔وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔

''زمر کہہ رہی ہیں کہ ماموں نے انہیں کال کیا اور ماموں نے انہیں کہا کہ وہ ان کو شوٹ کرنے لگے ہیں اور یہ کہ ماموں نے ان کے سامنے اعتراف جرم کیا۔'' حنین کے چہرے کا شاک ایک دم ناگواری اور غصے میں ڈھلا۔وہ تیزی سے آگے آئی۔

''کیا مطلب ماموں نے یہ سب کہا؟ پھپھو جھوٹ بول رہی ہیں۔ماموں ہمارے ساتھ تھے۔انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔یہ کیا مذاق ہے؟'' وہ طیش سے بپھر رہی تھی۔زمر اس قسم کی حرکت کیونکر کر سکتی تھی؟ سعدی نے نفی میں گردن ہلائی اور تھکا تھکا سا کرسی پہ بیٹھ گیا۔

''مجھے کچھ نہیں پتا کیا ہو رہا ہے؟ مگر زمر کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔وہ ماموں پہ الزام لگا رہی ہیں۔ماموں تو خود اتنے ٹوٹ گئے ہیں۔انہوں نے تو ایسا سوچا بھی نہیں تھا کہ یہ سب ہوگا۔ماموں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ہے نا حنین؟'' اس نے تائید کے لیے سر اٹھا کر حنین کو دیکھا۔وہ اس کی طرح پریشان نہیں تھی' وہ غصے میں تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا پھپھو ماموں سے کون سا بدلہ اتار رہی ہیں؟ یہ ایک دہشت گردی کی کارروائی تھی۔ وہ اس میں ماموں کو یوں گھسیٹ رہی ہیں؟ انہیں ایسا کرنا بالکل زیب نہیں دیتا۔ مجھے ان سے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔'' وہ غصے سے واپس بیٹھی۔ اب چہرے پہ تھوڑی دیر پہلے کی چھائی زمر کے لیے ہمدردی ختم ہو چکی تھی۔ وہاں صرف اور صرف ملال بھری بے بسی تھی۔ علیشا ان دونوں کے سامنے کھڑی فکرمندی سے باری باری دونوں کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس مسئلے میں پھنستی جا رہی ہے۔

''بھائی آپ ماموں کو کال کریں۔ ان سے پوچھیں کہ پھپھو کیا کہہ رہی ہیں۔'' سعدی نے تھکی تھکی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''میں ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتا جو فارس غازی کو مزید مشتبہ بنائے۔ اس بیان کے بعد پولیس ان سے ضرور پوچھ گچھ کرے گی۔ شاید ان کو گرفتار بھی کر لے۔ مجھے واقعی نہیں پتا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔''

''اگر آپ نہیں بتائیں گے تو میں انہیں کال کرنے جا رہی ہوں۔ انہیں پتا ہونا چاہیے کہ پھپھو ان پہ کیا الزام لگا رہی ہیں' اور وہ بھی پولیس کے سامنے۔ او گاڈ!'' حنین کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہر چیز کو تہس نہس کر ڈالے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوئی جیسے واقعی کال کرنے جا رہی ہو۔ سعدی نے اسے روکا۔

''نہیں۔ اس وقت چیزوں کو خراب کرنے کی نہیں' ان کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔'' حنین نے سوالیہ نظروں سے بھائی کا چہرہ تکا۔

''پھر ہم کیا کریں؟ کس کو بتائیں؟ کس سے مدد مانگیں؟''

سعدی نے موبائل نکالا۔ فون بک کھولی' نمبر ڈائل کیا اور فون کان سے لگاتے ہوئے حنین سے بولا۔ ''تھینک گاڈ' ہمارے رشتہ داروں میں کوئی ایک شخص تو ایسا ہے جس کے بارے میں' میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ہر مسئلہ سنبھال سکتا ہے۔'' دوسری طرف گھنٹی جا رہی تھی۔

حنین نے بھنویں سکیڑ کر اچنبھے سے سوچا اور پھر تاثرات ڈھیلے پڑے۔

''اوہ ہاشم بھائی' آپ ہاشم بھائی کو بلا رہے ہیں۔ او کے!'' وہ غیر آرام دہ سی ہو کر کرسی کے کنارے بیٹھ گئی۔ البتہ وہ ابھی بھی بے چین تھی اور ناخوش بھی۔ سامنے کھڑی علیشا کے چہرے پہ ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔ اس ساری گفتگو میں ہاشم کا نام سب سے واضح تھا۔ ہاشم۔ پھر ہاشم۔ ادھر بھی ہاشم....

اس نے کھنکھار کے ان دونوں کو متوجہ کیا۔ ''میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔ میری ممی کی کال آنے والی ہے۔ وہ ہوٹل میں مجھے اس وقت نہ پا کر پریشان ہو جائیں گی۔ میں رات کو پھر آؤں گی۔ تم پریشان مت ہونا۔'' قریب ہو کے حنین کا کندھا تھام کر وہ کہہ رہی تھی۔ سعدی نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اس فارنرلڑکی کو دیکھا جو ان کے لیے بے حد فکرمند لگ رہی تھی۔ اور پھر دوسری طرف جاتی گھنٹی سننے لگا۔

''جی ہاشم بھائی!'' رابطہ ملتے ہی وہ بچوں کی سی بے ساختگی سے بولا۔

''پلیز آپ ادھر آ جائیں۔ جی ادھر ہی اسپتال میں۔ مجھے نہیں پتا یہاں کیا ہو رہا ہے' لیکن پھپھو کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ آپ کو تفصیل یہاں آنے پہ بتاؤں گا' لیکن وہ ابھی پولیس کو اپنا بیان دے رہی ہیں۔ اور جو وہ بیان دے رہی ہیں وہ ہمارے خاندان کے لیے تباہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔'' اور دوسری طرف کار ڈرائیو کرتے ہوئے کانوں میں ہینڈز فری لگائے ہاشم نے تھک کر آنکھیں بند کیں۔ اور پھر گہری سانس لے کر کھولیں۔ بالآخر وہ بیان آ ہی گیا تھا جس کا وہ انتظار کر رہا تھا۔

''میں آ رہا ہوں سعدی! تم بالکل فکر مت کرو۔ میں سب سنبھال لوں گا۔ ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔'' ہلکی سی مسکراہٹ سے اس نے ہینڈز فری کانوں سے اتارے اور ایکسیلیٹر پہ پاؤں کا دباؤ بڑھا دیا...

❖❖❖

پولیس آفیسرز زمر کے کمرے سے نکل رہے تھے جب کوریڈور کی دیوار کے ساتھ لگے مایوس اور فکرمند سے کھڑے سعدی نے کوئی

آہٹ سی محسوس کر کے گردن موڑی۔ ریسیپشن کی طرف سے ہاشم چلتا ہوا آ رہا تھا۔ بلیک سوٹ میں ملبوس' کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھتا' دوسرے ہاتھ میں موبائل پکڑے وہ تیز قدم اٹھاتا قریب آیا۔ تحکم اور رعونت سے ان آفیسرز کو دیکھا۔ وہ فوراً سیدھے ہوئے تھے۔ اے ایس پی نے مودبانہ انداز میں سلام کیا۔ ہاشم نے محض سر کے خم سے جواب دیا اور ان کو نظر انداز کر کے سعدی کی طرف آیا۔

''مجھے مختصراً بتاؤ کہ ہوا کیا ہے؟'' اور اسے تو جیسے ہاشم بھائی کے آنے سے بہت تقویت مل گئی تھی۔ وہ پریشانی سے تیز تیز بولتا اس کو ساری صورتحال سمجھانے لگا۔ ہاشم کے لیے کچھ بھی نیا نہیں تھا مگر بظاہر پوری توجہ سے سن کر اس نے سر ہلایا اور اسے وہیں رکنے کا کہہ کر کمرے کی طرف بڑھا۔

''مجھے زمر سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔'' اندر موجود ڈاکٹر کو اس نے بس ایک فقرے سے باہر بھیجا' دروازہ بند کیا اور بیڈ کے سامنے آیا۔ قدرے ٹیک لگا کے لیٹی زمر نے اکتا کر ہاشم کو دیکھا اور بیزاری سے منہ پھیر لیا۔

''آپ جس لیے بھی آئے ہیں' کتنا ہی اچھا ہو واپس چلے جائیں کیونکہ میں اس وقت کم از کم آپ سے بات کرنے کے موڈ میں نہیں ہوں۔''

''کیا یہ سچ ہے کہ آپ نے فارس کے خلاف بیان دیا ہے؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔ زمر نے واپس منہ اس کی طرف کیا اور بگڑے تاثرات سے بولی۔

''آپ کو میرے بیان پہ جو بھی اعتراض کرنا ہے' جو بھی واویلا کرنا ہے' آپ کورٹ میں کر سکتے ہیں۔ کیونکہ میں اپنی کسی بات سے اک قدم بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی۔'' ہاشم کے چہرے پہ ملال ابھرا اور بے یقینی بھی۔ وہ قریب آیا۔

''میں جانتا ہوں کہ آپ مجھے کتنا ناقابل اعتبار سمجھتی ہیں۔ شوق سے سمجھیے مگر آپ کے بارے میں' میں ایک بات جانتا ہوں کہ آپ جھوٹ نہیں بولتیں اور بلاوجہ کسی کے بارے میں اتنی بڑی بات نہیں کہہ سکتیں۔'' وہ جو بیزاری سے اس کو دیکھ رہی تھی' قدرے چونکی۔ چہرے کے تاثرات ذرا نرم ہوئے۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟'' آواز میں البتہ وہی بے اعتنائی اور خشکی تھی' جیسے وہ جلد از جلد ہاشم کی کمپنی سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔

''میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں کہ کیا واقعی وہی ہوا تھا جو آپ نے پولیس سے کہا؟ کیا واقعی آپ نے فارس کو اعتراف جرم کرتے سنا؟'' کافی توجہ اور دھیان سے اس کو دیکھتا پوچھ رہا تھا جیسے اس کا کہا گیا ایک ایک لفظ اس کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہو۔

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

''میں نے سب سچ کہا ہے۔ ایک ایک حرف۔'' ہاشم نے سمجھنے والے انداز میں ''اوکے'' کہتے ہوئے کالر سے نادیدہ گرد جھاڑی' کوٹ کا بٹن بند کیا اور۔

''تو پھر آپ مجھے ہمیشہ اپنی حمایت میں پائیں گی۔'' کہہ کر مڑ گیا۔

زمر اس کو باہر جاتے دیکھتی رہی۔ اب بھی اس کی نگاہوں میں بیزاری تھی مگر اس کی شدت کم تھی۔

اس نے دروازہ کھولا تو باہر کھڑا سعدی نظر آیا۔ زمر کی نگاہوں میں امید سی جاگی۔ اس نے ذرا گردن اٹھا کے دیکھا مگر سعدی اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ فوراً ہاشم کی طرف پرامید سا بڑھا تھا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ درمیان کا رستہ رک گیا۔ زمر نے سرد دلی سے تکیے پہ ڈال دیا۔ آنکھ کے کنارے پہ ہلکی سی نمی ابھی تھی مگر اس نے جلدی سے انگلی کی نوک سے اسے صاف کر لیا۔ وہ بیٹھ کے رونے والوں میں سے کبھی بھی نہیں تھی۔ تو پھر آج کیوں؟ اونہہ۔

''کیا آپ نے زمر سے بات کی؟'' باہر وہ بے قراری سے ہاشم سے پوچھنے لگا۔ ہاشم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''تم فکر نہ کرو۔ ہم پولیس سٹیشن چلتے ہیں۔ وہ فارس کو اریسٹ کر کے وہیں لائیں گے۔'' سعدی کو جھٹکا لگا تھا۔

''کیا وہ ماموں کو اریسٹ کر لیں گے؟''

''وہ ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر ہے۔ اور وہ کہہ رہی ہے کہ اس کے اوپر فارس غازی نامی شخص نے قاتلانہ حملہ کیا ہے۔ وہ اس کو ضرور اریسٹ کریں گے اس لیے تم فارس کے لیے معاملات بگاڑنے کے بجائے ٹھنڈے طریقے سے چیزوں کو حل کرنے کی کوشش کرو۔ آؤ۔'' ہاشم باہر کی طرف بڑھا تو متذبذب سا کھڑا سعدی فوراً اس کے پیچھے لپکا۔ حنین بھی اب کوریڈور کے سرے پہ آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ حنین تک رکا۔

''تم امی کو فون کر لینا اور ان سے کہنا وہ تمہارے پاس آ جائیں۔'' حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ قدرے مشتبہ نظروں سے سامنے جاتے ہاشم کو دیکھا جو اب سعدی کے انتظار میں رک گیا تھا۔ نگاہیں ملیں۔ ہاشم نے ''کیسے ہو بیٹا؟'' کہہ کر گویا حال احوال کا فرض نبھایا اور جواب کا انتظار کیے بغیر سعدی کو چلنے کا اشارہ کرتا مڑا اور پھر حنین کے سامنے وہ دونوں تیز تیز باہر نکل گئے۔

حنین لب کاٹتی وہاں کھڑی سوچتی رہی۔ پھر زمر کے روم کے دروازے تک آئی۔ دستک دینے کو ہاتھ بڑھایا مگر ہاتھ نے دروازے کو نہیں چھوا۔ اس نے ہاتھ گرا دیا۔ کسی بھی چیز کا کوئی بھی فائدہ نہیں تھا۔ کم از کم اس کی زمر سے اتنی بے تکلفی نہیں تھی کہ وہ ایک بے فائدہ گفتگو اس کے ساتھ کر سکے۔ وہ برے دل کے ساتھ واپس پلٹ گئی۔

❖❖❖

افکار پہ پہرا ہے' قانون یہ ٹھہرا ہے ..... جو صاحب عزت ہے' وہ شہر بدر ہو گا

پولیس سٹیشن کے اس کمرے میں ایک خالی میز بچھی تھی اور اس کے گرد تین کرسیاں۔ سعدی بے چینی سے کرسی کے کنارے ٹکا میز پہ کہنیاں رکھے سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا۔ اکیس سالہ کم عمر چہرے پہ بے پناہ فکرمندی تھی۔ ساتھ والی کرسی پہ ہاشم ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھا موبائل پہ بٹنز دبائے جا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ نظر اٹھا کے سعدی کو بھی دیکھ لیتا۔ کبھی کبھی کندھے پہ ہاتھ رکھ کے تسلی آمیز انداز میں تھپک دیتا۔

''میں سب سنبھال لوں گا۔ بے فکر رہو۔''

سعدی نے بدقت مسکرانے کی کوشش کی۔ مگر اس وقت کسی بھی چیز کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کتنی دیر سے فارس غازی سے ملاقات کے لیے بیٹھے تھے مگر کوئی اسے لا ہی نہیں رہا تھا۔

باہر پھیلی سہ پہر رات میں ڈھل چکی تھی۔ سعدی اٹھ کر کمرے میں مضطرب سا چکر کاٹنے لگا۔

یہ خیال کہ فارس ایک ناکردہ جرم کی پاداش میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے حوالات میں بند ہے' اس کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ ہاشم اطمینان سے موبائل پہ بٹنز دبائے جا رہا تھا۔

دفعتاً دروازہ کھلا۔ ہاشم نے کافی پرسکون انداز میں اور سعدی نے بے حد بے تابی سے اس طرف دیکھا۔ دو اہلکار فارس غازی کو لیے آ رہے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔ سیاہ جینز پہ راؤنڈ نیک والی گرے شرٹ میں ملبوس جس کی آستینیں کلائی تک آتی تھیں۔ اس کا انتہائی غصے بھری بے بسی کی سی کیفیت میں تھا۔ ابرو بھنچے تھے اور ہلکی سنہری آنکھوں میں شدید تلخی تھی۔

ہاشم موبائل رکھ کر فوراً اٹھا۔ ایک کڑی نگاہ اہلکار پہ ڈالی۔

''ہتھکڑی کھولو۔'' اس کا انداز اتنا سخت تھا کہ بناچوں چرا فارس کی ہتھکڑی کھول دی گئی۔ فارس نے ہاتھ جھٹکے' کرسی کھینچی اور ٹانگ پہ

ٹانگ رکھ کے بیٹھا۔اس کے ماتھے پہ ابھی تک بل تھے۔

''تم ٹھیک ہو؟''

ہاشم مصنوعی ہمدردی سے پوچھتے ہوئے کھڑا رہا جبکہ سعدی جلدی سے آ کر اس کے ساتھ والی کرسی پہ بیٹھا۔فارس نے ایک تیکھی نظر ہاشم پہ ڈالی اور استہزائیہ سر جھٹکا جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی تمہیں ہی ہوئی ہوگی۔ہاشم اس کی سرد مہری محسوس کر کے دروازے کی طرف بڑھا۔

''میں اے ایس پی سے مل کر آتا ہوں۔تم بات سن لو۔''سعدی کو اشارہ کر کے وہ باہر نکل گیا۔اب کے فارس نے ان ہی تاثرات سے اسے دیکھا۔

''کیا واقعی تمہاری پھپھو نے مجھ پر یہ الزام لگایا ہے؟''

اس کی آنکھوں میں شدید غصہ تھا۔سعدی نے بے بسی سے نفی میں سر ہلایا۔

''میں خود سمجھ نہیں پا رہا یہ کیا ہوا ہے۔کیا آپ نے انہیں کال کی تھی؟ کیا آپ نے ان کو ریسٹورنٹ میں بلایا تھا؟''

''میں نے انہیں کسی ریسٹورنٹ میں نہیں بلایا تھا' ہوٹل میں بلایا تھا۔حنین تھی' اس کی وہ دوست تھی۔میں نے انہیں کوئی کال نہیں کی تھی۔میں سمجھ نہیں پا رہا میڈم میرے بارے میں ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں۔یہ سب جھوٹ ہے' بکواس ہے۔''اس نے طیش سے کہتے ہوئے میز پہ مکا مارا۔

سعدی پیچھے کو ہوا۔لب کاٹتے ہوئے سوچنے لگا۔اب کچھ کچھ صورتحال سمجھ میں آ رہی تھی۔

''مگر انہوں نے کہا آپ نے انہیں کال کر کے کہا ہے کہ آپ نے ہی وارث غازی کا قتل کیا ہے اور یہ بھی کہ....''سعدی رکا۔اسے وہ تمام تکلیف دہ الفاظ یاد تھے جو زمر نے اس کے سامنے آفیسر کو بتائے تھے۔

''اور یہ کہ میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر' اور اس طرح کی بہت ساری باتیں۔''

وہ واقعی دہرا نہیں پا رہا تھا۔اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔آخر زمر اس قسم کی بات کیسے کر سکتی تھیں۔

''میں میڈم سے ایسی بات کیوں کروں گا؟ میرے پاس دو گواہ ہیں۔حنین اور علیشا۔ہم سارا وقت ایک ساتھ رہے۔میں نے کسی سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔اور میں اس کو کیسے گولی مار سکتا ہوں؟ میرے پاس تو اس وقت کوئی گن بھی نہیں تھی۔''

''مگر جو گولی پھپھو کو ماری گئی تھی وہ علیشا کے کمرے کے ساتھ والے کمرے کی کھڑکی سے ماری گئی اور جب پولیس نے وہاں چھاپا مارا تو وہاں موجود گن آپ کی تھی۔اس پر آپ کے فنگر پرنٹس تھے۔یہ وہی امریکن گن تھی جو آپ نے بلیک میں پشاور سے خریدی تھی۔اور آپ کے نشان لگے گلاس اور کٹلری بھی وہاں سے قبضے میں لی گئی ہے۔فنگر پرنٹس کے رزلٹ آ گئے ہیں۔وہ کمرہ بھی آپ کے نام بک تھا اور ہوٹل کے اس فلور کے سی سی ٹی وی کیمرا زبھی خراب تھے۔سو آپ علیشا کے کمرے میں گئے یا دوسرے کمرے میں' کوئی ثبوت نہیں ہے اور اس پہ مستزاد زمر کا یہ بیان۔میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا' آخر ہو کیا رہا ہے فارس ماموں؟''

وہ ہاشم کی بتائی گئی معلومات جو عین زمر کے بیان کے بعد منظر عام پہ لائی گئی تھیں' دہراتا گیا۔آخر میں اس کی بے بسی بھی جیسے برہمی میں بدلنے لگی۔ہاشم واپس آ گیا تھا اور اب خاموشی سے کرسی پہ بیٹھا تھا۔

فارس نے اب کے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔''تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں' میں بکواس کر رہا ہوں' ہاں؟''

''میں صرف اتنا پوچھ رہا ہوں....کیا آپ نے پھپھو کو کال کی تھی؟''

''میں نے کسی کو کوئی کال نہیں کی۔میں میڈم سے ایسی بات کیسے کر سکتا ہوں کہ میں انہیں گولی مارنے والا ہوں؟ ربش! گولی مارنے

نے پہلے کون بتاتا ہے؟''

اس نے اشتعال سے سر جھٹکا' جیسے بس نہ چل رہا ہو اس میز کو اٹھا کر سعدی کے اوپر دے مارے۔ سعدی ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگا۔ اجنبی' عجیب نظروں سے۔

''میڈم کون؟''

''تمہاری پھپھو اور کون!'' فارس اکھڑا اکھڑا سا بولا۔

''آپ زمر کو میڈم کہتے ہیں رائٹ؟'' اس کے ذہن میں جیسے الارم بج رہا تھا۔ قدرے پرجوش سا ہو کر وہ آگے کو ہوا۔

''لیکن زمر نے جو بیان دیا ہے اس میں انہوں نے بتایا کہ آپ نے انہیں ''زمر'' کہہ کر مخاطب کیا ہے۔ مگر آپ کبھی پھپھو کا نام نہیں لیتے۔ مجھے یاد ہے آپ ہمیشہ ان کو میڈم کہتے تھے۔''

''اوہ ڈیم!'' ہاشم نے کراہ کر گویا آنکھیں بند کیں۔ اسکرپٹ لکھنے میں ذرا سی غلطی کتنی تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔

فارس نے ہلکے سے شانے اچکائے۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' وہ ابھی تک سعدی کی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

سعدی تیزی سے کھڑا ہوا۔ ''میں جانتا ہوں آپ نے کچھ نہیں کیا۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں آپ نے واقعی انہیں کوئی کال نہیں کی۔ آپ فکر مت کریں۔''

اس نے تسلی دینے والے انداز میں فارس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ ہاشم بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں باہر انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔'' اور باہر نکل گیا۔

''ہاشم بھائی بہت جلد آپ کو یہاں سے نکال لیں گے۔''

''ہاں'' فارس نے استہزائیہ سر جھٹکا۔ ''ہاشم اور میرے لیے کوشش کرے گا؟ کبھی بھی نہیں۔ وہ جو کر رہا ہے' وہ بھی صرف دکھاوے کے لیے ہے۔ میں اس کو جانتا ہوں۔ اپنا مطلب نہ ہو تو وہ کسی کی مدد نہیں کرتا۔'' سعدی نے متعجب سا ہو کر اسے دیکھا۔

''وہ ان پہلے لوگوں میں تھے جنہوں نے آپ کی بے گناہی پہ یقین کیا تھا۔ کم از کم ان کے بارے میں آپ کو اتنا منفی نہیں ہونا چاہیے۔ آپ تسلی رکھیں۔ ہاشم بھائی آپ کو بہت جلد رہا کروالیں گے۔''

فارس شاکی سا کچھ بڑبڑا کر چپ ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں پچھلے چند دن سے چھایا ملال اور کرب اب شدید غصے میں ڈھل رہا تھا۔ آخر زمر نے اس پر اتنا بڑا الزام کیا سوچ کر لگایا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ فارس قتل نہیں کر سکتا' یا شاید وہ کسی اور کی جگہ اس کا نام لے رہی تھی' شاید وہ کسی اور کو کور کر رہی تھی۔ پتا نہیں اس نے سر جھٹکا۔ سعدی اب باہر جا رہا تھا۔ اسے جلد از جلد پھپھو سے ملنا تھا۔

❖❖❖

جب رات کے پردے سے پھر رات نکل آئے ..... اس وقت کدھر جائے جو اہل نظر ہو گا

ہسپتال کے کمرے میں وہی دوائیوں کی بو پھیلی تھی۔ زمر بدستور اسی طرح لیٹی تھی۔ اس کی ویران نگاہیں چھت پر تھیں۔ ذہن میں جانے کیا چل رہا تھا۔ سعدی جب اندر آیا تو دیکھا زمر کا چہرہ پہلے سے بہت زیادہ مرجھایا ہوا اور رنگت ہلدی کی مانند لگ رہی تھی۔ اس کا ٹوٹا ہوا دل مزید ٹوٹ گیا۔ وہ قریب آیا۔ زمر کی آنکھوں میں کرب اترا اور ساتھ ہی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی سی نظر آئی۔ سعدی مزید قریب آیا' یہاں تک کہ اس کے کندھے کے ساتھ آ کھڑا ہوا۔ زمر اب نگاہیں پوری اٹھا کر اس کو دیکھ رہی تھی۔

''سعدی! اس نے مجھ پہ گولی چلائی۔ میں نے خود سنا۔ تمہیں مجھ پہ یقین ہے نا؟''

چند گھنٹے پہلے پولیس آفیسرز کے سامنے سپاٹ' سنجیدہ اور مضبوط سی پراسیکیوٹر اب بہت کمزور لگ رہی تھی۔ اس کے انداز میں بے بسی

بھی تھی' خوف بھی۔ مکڑی کے جالے کا سامان تھا' معلوم نہیں کب ٹوٹ جاتا۔ سعدی نے اسے سنجیدگی سے دیکھا۔

''فارس غازی نے آپ سے کیا کہا تھا فون پہ؟''

''اس نے مجھے کہا کہ وہ مجھے صرف ایک گولی مارے گا۔''

''نہیں مجھے ان کے الفاظ بتائیے' ایک ایک لفظ۔''

زمر کی آنکھوں میں چمکتی امید مزید گہری ہوئی۔ مکڑی کے جالے کا سامان مضبوط ہوا۔ وہ پہلے سے زیادہ پراعتماد ہو کر بولی۔

''اس نے کہا میں صرف تمہیں ایک گولی ماروں گا زمر' دل میں اور....''

''مگر فارس غازی نے آپ کو کبھی آپ کے نام سے نہیں پکارا۔ وہ ہمیشہ آپ کو میڈم کہتے تھے۔''

وہ ایک دم بالکل رک کر تعجب سے اسے دیکھنے لگی۔

''فارس غازی نے آپ کو کوئی کال نہیں کی تھی۔ آپ کو فارس نے گولی نہیں ماری تھی۔ ان کو سیٹ اپ کیا گیا ہے۔ کچھ تو ہے جو آپ چھپا رہی ہیں۔ پلیز مجھے سب کچھ بتائیے' ایک ایک بات۔''

زمر بالکل متحیر سی اس کو دیکھے گئی' بنا پلک جھپکے جیسے سانس تک رک گیا ہو۔

''سعدی! تم کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔''

''صرف اس بنیاد پہ کہ وہ مجھے میرے نام سے نہیں پکارتا تھا؟ اس نے گولی بھی تو مجھ پر پہلی دفعہ ہی چلائی تھی۔ بہت ساری چیزیں پہلی بار ہی ہوتی ہیں۔''

''وہ جھوٹ نہیں بول رہے۔ انہوں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ آپ بتائیں' کچھ ہے جو آپ چھپا رہی ہیں۔ آپ وارث ماموں کے ٹارگٹ کیس کی فائلز نکلوا رہی تھیں۔ کیا آپ کسی کو کور کر رہی ہیں؟ کیا کوئی آپ کو یہ سب کہنے پہ مجبور کر رہا ہے؟'' یہ خدشہ ہاشم نے راستے میں ظاہر کیا تھا یونہی سرسری سا مگر سعدی کے ذہن میں اس نے جڑ پکڑ لی۔

زمر کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں گلابی سی نمی اتری۔ لب بھنچ گئے۔

''تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟''

''زمر! آپ مجھے سب کچھ سچ سچ کیوں نہیں بتاتیں؟'' اس کی آواز بلند ہونے لگی تھی۔

''تمہیں معلوم ہے سعدی وہ کیا تکلیف ہے جو میں نے پچھلے کچھ دنوں میں سہی ہے؟ میرے گردے ضائع ہو گئے ہیں۔ میرا باپ مفلوج ہو گیا ہے۔ میری زندگی کی ساری امیدیں ٹوٹ گئی ہیں۔ میں کبھی نارمل نہیں ہو سکوں گی۔ ایسے وقت میں بھی تمہیں لگ رہا ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں' تمہیں فارس زیادہ قابل اعتبار لگ رہا ہے! کیا تم مجھے نہیں جانتے؟'' وہ متحیر' بے یقین تھی۔

''میں آپ کو جانتا ہوں اسی لیے کہہ رہا ہوں آپ کوئی بات مجھے نہیں بتا رہیں۔ آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔ کہیں نہ کہیں کچھ غلط ہے۔ علیشا کہہ رہی ہے' حنین کہہ رہی ہے ماموں ان کے ساتھ تھے' انہوں نے کوئی کال نہیں کی۔ وہ تین لوگ جھوٹ نہیں بول رہے۔'' وہ ناراضی سے اسے دیکھ کر تیزی سے بولا۔

زمر کے ابرو غصے سے اکٹھے ہوئے۔ اس نے کہنی کے بل قدرے اٹھنے کی کوشش کی۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ وہ سب سچ بول رہے ہیں۔ ایک میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ تمہیں نہیں کرنا میرا اعتبار' مت کرو۔ لیکن میں دنیا کی ہر عدالت میں جا کر اس کے خلاف گواہی دوں گی۔ میں پوری دنیا کو بتاؤں گی کہ کس طرح اس نے میرے اوپر گولی چلائی' اپنی بیوی کو مارا'

ا ے بھائی کو مارا' میری زندگی برباد کردی۔''

سعدی نے غصے سے مٹھیاں بھینچ لیں۔

''آپ کو پتا ہے آپ کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے زمر؟ جب آپ کے دماغ کی سوئی ایک بات پہ اٹک جاتی ہے تو پھر وہ وہاں سے نہیں ا ٹ ملتی۔ آپ اس کے آگے پیچھے ہر قسم کی سوچ کا دروازہ خود پہ بند کرلیتی ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔''

''ہوسکتا ہے؟ تمہیں میرے سچ بولنے میں شک ہے؟'' وہ بے یقینی سے غرائی تھی۔

''لیکن زمر! میں صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ کوئی تیسری چیز بھی ہوسکتی ہے۔ آپ کیوں ٹھنڈے دل سے اس بات پہ نہیں سوچتیں۔ ا ب ا فعہ فارس غازی کو بے گناہ تصور کر کے سوچیں۔ ہوسکتا ہے کسی نے انہیں پھنسایا ہو۔ یہ سب ایک سیٹ اپ ہو اور کچھ بھی نہ ہو۔ آپ ایک ا ا صرف ایک دفعہ اپنے مفروضات کو پیچھے کیوں نہیں کرلیتیں؟ اگر واقعی آپ کسی کے دباؤ میں نہیں ہیں تو....''

''مفروضات!'' وہ چلائی تھی۔ ''میں کتنی دفعہ کہہ چکی ہوں میں نے اس کی آواز سنی ہے۔ اس کا فون آیا تھا مجھے۔ اس نے مجھ پہ گولی چلائی۔ میں فارس کی آواز پہچانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں وہ فارس ہی تھا۔ ہر چیز کی سینس بنتی ہے سوائے اس کے کہ تم میری بات سننا نہیں چا ہتے۔ تمہیں مجھ پہ اعتبار نہیں ہے۔ ٹھیک ہے سعدی! مت کرو مجھ پہ اعتبار۔ لیکن ایک وقت آئے گا جب عدالت اس کو سزا سنائے گی اور جب و ہ مجرم ثابت ہوگا اور وہ خود اعتراف جرم کرے گا۔ تب میں تم سب کے چہرے دیکھنا چاہوں گی۔ تم' حنین' بھابی' کوئی بھی میری بات پہ یقین ن کر رہا' میں جانتی ہوں۔ لیکن تم لوگ دیکھو گے' ضرور دیکھو گے۔''

تیز تیز بول کر وہ ہانپنے لگی تھی۔ سر تکیہ پہ گرا دیا۔ سعدی خفگی سے پیچھے ہوا۔

''ایک یہی سب سے بڑا مسئلہ ہے آپ کا۔ آپ کسی دوسرے کی کوئی بات سمجھتی نہیں ہیں۔ آپ سمجھنے کے لیے بات نہیں سنتیں' آپ و اب دینے کے لیے بات سنتی ہیں۔ آپ اپنے خیالات میں اتنی فکسڈ ہو جاتی ہیں کہ آپ کسی نئے تصور کے لیے اپنا ذہن کھلا نہیں رکھتیں۔ آپ ا و بھی پتا ہے کہ آپ غلط کہہ رہی ہیں مگر...'' اور زمر کے لیے یہ بہت تھا۔

''نکل جاؤ میرے کمرے سے! ابھی اور اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔ مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' اس نے چلاتے ہوئے بازو اٹھا کر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ سعدی بھی غصے سے کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ اتنی ضدی کیوں ہو رہی تھی۔ وہ اس کی ا ت کیوں نہیں سمجھ پا رہی تھی۔

''آپ کو صرف اس بات کا غصہ ہے کہ میں نے آپ کو یہ کیس لینے کے لیے کیوں کہا۔ یہ کہ اس کیس کی وجہ سے آپ کی شادی ا ہے ہو رہی تھی۔ آپ اس کیس کا غصہ فارس ماموں پہ نکال رہی ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔ آپ ایک دفعہ پھر وہی کر رہی ہیں۔ ان کی بیوی کا ل ہوا ہے' ہمارا خاندان تباہ ہو چکا ہے اور آپ اپنی ضد کو لے کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ زمر آپ ایسا کیوں کر رہی ہیں؟''

''نکل جاؤ میرے کمرے سے اور دوبارہ مت آنا۔ میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اس وقت۔ جاؤ سعدی!'' وہ زور سے چلائی۔

''پانی سے گاڑھا''

''نکل جاؤ میرے کمرے سے اور دوبارہ مت آنا۔ میں تمھاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی اس وقت۔ جاؤ سعدی!!'' وہ زور سے چلائی۔

❖❖❖

وہ فوراً تیزی سے مڑا دروازہ کھولا اور باہر نکلا۔

حنین سامنے کھڑی تھی۔ نامکمل بند پٹ کی وجہ سے وہ سب سن چکی تھی۔

''آخر وہ اتنی خودغرض کیسے ہوسکتیں ہیں کہ انہیں کسی کا بھی خیال نہ ہو! نہ ماموں کا، نہ سارہ خالہ کا! ان کو صرف اپنا غم یاد ہے۔'' وہ شاکی سا کہتا ہوا آگے بڑھتا گیا۔ حنین سست قدموں سے چلتی اس کے قریب آئی۔

''آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

وہ متعجب سا اس کی طرف گھوما۔ ''ان کے الزام کی وجہ سے فارس ماموں کو پھانسی ہو جائے گی اور تم کہتی ہو کہ۔۔۔''

''جو بھی تھا آپ کو پھپھو سے اس طرح بات نہیں کرنی چاہیے تھی، کم از کم آپ کو نہیں!''

وہ کہہ کر مڑ گئی۔ سعدی نے خفگی سے سر جھٹکا۔ منہ میں کچھ بڑبڑایا اور آگے بڑھ گیا۔

حنین چلتی ہوئی دروازے تک آئی۔ ذرا سی درز سے اندر جھانکا۔ زمر اسی طرح لیٹی تھی۔ گردن سیدھی تھی، وہ اوپر دیکھ رہی تھی اور وہ رو رہی تھی، بری طرح! کبھی وہ اپنے ساتھ لگی نالیوں کو دیکھتی، کبھی مشینز کو، کبھی سفید چادر کو، کبھی ہاتھ میں لگے کینولا کو، اور آنسو ابل ابل کر آنکھوں سے گرتے جا رہے تھے، کہیں کوئی ہلکی سی سسکی بھی نکل جاتی تو وہ ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کے اسے دبا لیتی، اس کے لئے یہ بہت شرمندگی کی بات تھی کہ کوئی اسے روتا دیکھ لے۔ وہ تو دادی کی ڈیتھ پہ بھی سب کے سامنے نہیں روئی تھی۔ اکیلی کمرہ بند کر کے روئی۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کافی دیر وہیں کھڑی رہی۔ اس کو چھپ کر زمر کو دیکھنے کی عادت برسوں سے تھی۔ مگر روتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔

❖❖❖

کوئی تدبر نہیں آتی ..... کوئی صورت نظر نہیں آتی

ندرت اور بڑے ابا زمر کے کمرے میں تھے اور سعدی باہر۔ وہ جان بوجھ کر زمر کے پاس اندر نہیں گیا تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا مگر زمر نے اسے اندر بلایا بھی نہیں۔ ایک دفعہ کسی سے پوچھوایا بھی نہیں۔ منایا بھی نہیں۔ وہ خفا خفا سا باہر ہی بیٹھا رہا۔

وہ آج پہلے سے بہتر لگ رہی تھی۔ صحت میں نہیں جذباتی کیفیت میں۔ ٹیک لگا کر قدرے اٹھ کے بیٹھی۔ گھنگریالے بال پونی میں باندھے، خاموش اور سنجیدہ۔

سامنے وہیل چیئر پہ موجود بڑے ابا کو اس کا ہر انداز اذیت دے رہا تھا۔ وہ دور کسی غیر مرائی نقطے کو دیکھتی بظاہر ان دونوں کو نظر انداز کر رہی تھی۔ ندرت خاموش سی سامنے کاؤچ پہ بیٹھی تھیں۔ زمرلاکھ عزیز صحیح، فارس ان کا بھائی تھا۔ اور وہ سعدی کی طرح زمر سے جھگڑا کر کے اس پہ چیخ چلا کر ناراض نہیں ہو سکتی تھیں۔ ذہن میں بار بار خیال آ رہا تھا آخر وہ بھی تو فرحانہ کی بیٹی ہی نکلی مگر وہ ظاہر نہیں کر رہی تھیں، بالکل چپ، کسی نہ کسی مصالحت کی امید لئے۔

بڑے ابا نے ہاتھ بڑھا کے بیٹی کے ہاتھ کو تھاما، وہ بیڈ کے قریب بیٹھے تھے، ان کی ضد پہ آج انہیں یہاں آنے کی اجازت ملی تھی۔

اس بے بس سے لمس پہ زمر نے چہرہ گھما کے ان کو دیکھا۔ وہ بہت کمزور اور بوڑھے لگ رہے تھے، اداس بھی۔

''بیٹا، میں فارس کو جانتا ہوں وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا، ضرور اس کو پھنسایا جا رہا ہے''۔

''انٹیلی جنس آفیسر کو کون پھنسا سکتا ہے ابا؟'' وہ بے زار ہوئی۔

''کیوں؟ کیا وہ انسان نہیں ہوتے؟ ان کی کمزوریاں نہیں ہوتیں؟ ان انٹیلی جنس آفیسرز کی فائلوں کے انبار ہیں جو بے گناہ ہوتے ہوئے بھی نکالے گئے، پھنسائے گئے، یا پھانسی چڑھ گئے۔ وہ سب سے الگ ہے کیا؟''

''ٹھیک ہے۔آپ بھی یہی سمجھتے ہیں کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں، حالانکہ سب سے زیادہ نقصان میرا ہوا ہے، میں نے اس کے الفاظ سنے تھے، میں نے اس کی منت کی تھی کہ وہ میرے اوپر گولی نہ چلائے، وہ میری زندگی خراب مت کرے''۔درد سے پھٹی آواز میں کہتے ہوئے اس کی آنکھیں سرخ پڑنے لگی تھیں۔''میں نے ابا اس کو اتنا تک کہا کہ میں اس کا کیس لڑوں گی، ہر عدالت میں اس کے ساتھ کھڑی ہوں گی، وہ میرے ساتھ یہ ظلم نہ کرے۔لیکن اس نے پھر بھی مجھ پہ گولی چلائی۔اگر اس نے میری کوئی خیر قبول نہیں کی تو آپ اس کے لئے مجھ سے کسی خیر کی توقع مت رکھیں''۔

''میں جانتا ہوں تم جھوٹ نہیں بول رہی، لیکن یہ صرف اور صرف کوئی غلط فہمی۔۔۔''زمر نے بے زاری سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ سے نکال لیا۔وہ دل مسوس کر بیٹھے رہ گئے۔

''آپ لوگ پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دیں۔جس کو مجرم سمجھنا چاہئے اس کے لئے آپ کے دل میں ہمدردی ہے تو ٹھیک ہے، ہمدردی لینے کا مجھے بھی شوق نہیں۔میں جیسی ہوں ویسی ہی ٹھیک ہوں''۔

''ایسے کیوں سوچتی ہو؟ ہم انتظام کر رہے ہیں، بہت جلد کوئی کڈنی ڈونر مل جائے گا، تمہیں کبھی ڈائلیسس پر نہیں آنا پڑے گا، تم دوبارہ سے صحت یاب ہو جاؤ گی''۔

وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ گردن پھیر کر کھڑکی کی طرف دیکھتی رہی۔

ندرت آہستگی سے اٹھیں، اس کے قریب آئیں، اور بیڈ کی پائنتی پہ بیٹھیں۔منت بھری بے بسی سے اس کو دیکھا۔

''زمر میرے لئے کیا تم اپنا بیان واپس نہیں لے سکتیں؟ فارس جیل چلا جائے گا، اس کو سزا ہو جائے گی، وہ برباد ہو جائے گا''

اس نے زخمی نگاہوں سے ندرت کا چہرہ دیکھا۔

''اور میں بھابی! میری خوشیاں، میرے غم؟؟ ان کا کیا؟ آپ سب کو لگتا ہے کہ میں اپنی ضد پہ اڑی ہوئی ہوں؟''شکایت آمیز نظر اپنے باپ پر ڈالی''لیکن آپ لوگ یہ نہیں سوچتے کہ میرے پاس ضد کرنے کے لئے کچھ بچا نہیں ہے، میں تباہ ہو چکی ہوں! اب فارس برباد ہو یا آباد، مجھے اس سے کوئی ہمدردی نہیں ہے! میں نے اس کی عزت کی ہمیشہ، کیونکہ مجھے انسان کے اندر کی اچھائی پہ یقین ہوتا ہے، مگر میں غلط تھی، وہ ویسا ہی ہے جیسا لوگ اس کے بارے میں کہتے تھے۔آپ اس کے لئے مجھ سے کوئی امید نہ رکھیں۔کیونکہ میں آپ سب کی نا اعتباری سہہ چکی ہوں لیکن فارس کو معاف نہیں کر سکتی''۔

وہ گردن موڑ کر پھر سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔یہ ایک اشارہ تھا کہ اب وہ لوگ چلے جائیں۔

ندرت شکستگی سے اٹھیں، بڑے ابا کی وہیل چیئر کے پیچھے آئیں، اور انہیں لیے باہر نکل گئیں۔دروازہ حسب معمول آدھا کھلا رہ گیا۔

دفعتاً راہداری سے آوازیں آئیں۔ندرت کسی سے مخاطب تھیں۔۔۔خاتون کی آواز۔۔۔فضیلہ آنٹی۔۔۔حماد کی امی، وہ پہچانتی تھی۔وہ آہستگی سے سیدھی لیٹی، تکلیف چہرے پہ نمودار ہوئی۔اور آنکھیں بند کر لیں، بالکل ایسے جیسے وہ سو رہی ہو۔

واقعی یہ وہ صبحیں تھیں جن میں جاگتے ہوئے اسے آفس جانے کی کوئی ٹینشن نہیں تھی۔کون سی خواہش کہاں آ کر پوری ہوئی تھی!

ندرت، فضیلہ آنٹی کو اندر لے آئیں تھیں۔زمر کی آنکھوں میں فی الحال صرف اندھیرا تھا، مگر وہ آوازیں سن سکتی تھیں۔فضیلہ آنٹی یقیناً اس کے بازو کے قریب بیڈ کے ساتھ کھڑی تھیں۔

''بہت زیادہ افسوس ہوا۔ہم سب بہت پریشان ہیں۔کوئی یقین بھی نہیں کر سکتا کہ زمر کے ساتھ اس طرح ہو گا وہ بھی اتنے اہم موقع سے پہلے! ہمارے تو سارے رشتے دار بھی آ چکے تھے۔اب کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں۔۔حماد کے بہن بہنوئی۔۔پتہ نہیں کتنوں کی

فلائٹس ہیں۔۔آگے کروانی پڑیں گی۔۔یا شاید کینسل۔۔''

وہ کہہ ہمدردی سے ہی رہی تھیں، مگر انداز میں کوئی عجلت تھی۔زمر بند آنکھوں سے سنے گئی۔

''دو شادیاں اکٹھی ہو رہی تھیں۔۔حماد کے تایا کے بیٹے کے فنکشنز بھی ساتھ ہی تھے۔ولیمہ تو ہم دے ہی اکٹھا رہے تھے۔اب ظاہر ہے یہ شادی تو ابھی ہو ہی نہیں سکتی۔سجاد کے فنکشنز تو کل سے شروع ہو جائیں گے۔اب آپ تو جانتی ہیں ہماری بھی مجبوری ہے۔''

''سب کی مجبوریاں ہیں، میں جانتی ہوں۔۔'' ندرت بولیں تو آواز میں پسپائی تھی۔

زمر آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ندرت اب شاید ان کے لئے کوئی جوس نکالنے لگی تھیں مگر وہ منع کرنے لگیں۔

''حماد باہر انتظار کر رہا ہے، ایسا کرتے ہیں ہم وہیں بیٹھتے ہیں، اس کمرے میں تو مجھے گھٹن ہو رہی ہے۔پتہ نہیں ہسپتالوں میں ایسی گھٹن کیوں ہوتی ہے!''

اور ان کی آواز دور ہوتی گئی۔شاید وہ کمرے سے جا رہی تھیں۔اور پھر دروازہ بند ہو گیا، سناٹا چھا گیا، قبر کی پہلی رات کا سا سناٹا۔۔ زمر نے آنکھیں کھولیں۔وہ اب کمرے میں اکیلی تھی۔

کھڑکی کے باہر دوپہر پہلے سی تازہ تھی مگر اب بادل امڈ کر آ رہے تھے، بارش جیسے برسنے کو تھی۔۔وہ سپاٹ تاثرات کے ساتھ چت لیٹی چھت کو دیکھنے لگی۔اب کوئی بھی چیز افسوس نہیں دلاتی تھی۔سارے احساسات مر گئے تھے۔اسے پتہ تھا اب کیا ہوگا۔دوسری دفعہ اس کی منگنی ٹوٹ جائے گی۔پھر بھی ایک امید تھی، شاید ایسا نہ ہو۔

.....❖❖❖.....

کوئی بھی آدمی پورا نہیں ہے ..... کہیں آنکھیں، کہیں چہرہ نہیں ہے

دروازہ اک دم کھلا، وہ چونکی۔سوتی نہیں بن سکتی تھی۔مگر پھر اس کی ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ آنے والی فضیلہ یا ندرت نہیں تھیں۔

اس کو زمر کے پاس اکیلا چھوڑ دینے کا بہت تحکم سے کہتی، جواہرات کاردار نے اندر قدم رکھا۔

بند گلے کے سبز گاؤن، لمبی سفید ہیل، بالوں کا نفیس سا جوڑا بنائے، جوان، اور اسمارٹ سی جواہرات مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

زمر اسی بے رخی اور ناپسندیدگی سے اسے دیکھتی رہی۔

''ہیلو زمر! کیسی ہو؟''

ایک فلپینو ملازمہ اور ایک سوٹ میں ملبوس ملازم پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لئے پیچھے آئے اور ساری میزوں کو بھر دیا۔

جواہرات نے آنکھ سے اشارہ کیا اور وہ باہر نکل گئے۔ساتھ ہی شہرین کاردار اندر آئی۔اس نے لمبی قمیص پہن رکھی تھی اور کندھے پہ لمبی چین کا پرس تھا۔سنہرے باب کٹ بالوں میں ہاتھ پھیر کر انہیں پیچھے کرتی، مصنوعی سی مسکراہٹ لیئے وہ زمر کے قریب رکی اور جیسے تعارف کروایا،

''میں مسز ہاشم کاردار ہوں۔ہم پارٹی میں ملے تھے۔''

زمر نے سر کے خم سے ان دونوں کے رسمی کلمات کا جواب دیا، جیسے وہ شدید کوفت میں مبتلا ہو۔جواہرات نے زمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جیسے شہرین کو بتایا۔

''زمر یوسف' پبلک پراسیکیوٹر ہے۔ہاشم نے یقیناً تم سے ذکر کیا ہوگا۔''

شہرین نے منہ میں کچھ چباتے ہوئے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

''جی آئی نو۔ڈی اے ہیں یہ یہاں کی۔'' وہ زمر کی طرف مڑی ''سو ڈی اے، کیسی ہو تم؟'' اس کو جیسے اپنے انداز تخاطب پہ خود ہی لطف آیا تھا۔

زمر نے رکھائی سے ''بہت اچھی'' کہہ کر نظروں کا رخ کھڑکی کی طرف پھیر لیا۔ وہاں دوپہر بادلوں سے سیاہ پڑتی جا رہی تھی۔

''آپ بیٹھیے مسز کاردار! میں باہر جاتی ہوں یہاں بور ہو جاؤں گی۔''

شہرین اپنے بالوں کو پھر سے پیچھے جھٹکتی، بے نیازی سے کہتی مڑ کر باہر نکل گئی۔ جواہرات بس مسکرا کر اسے جاتے دیکھتی رہی۔ پھر ایک لری پہ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھی، کہنیاں کرسی کے ہتھ پہ اور انگوٹھیوں والے ہاتھ باہم ملائے۔

''مجھے بہت افسوس ہے جو تمہارے ساتھ ہوا۔ جس نے بھی کیا وہ۔۔۔۔''

اس نے تنک کر جواہرات کو دیکھا،

''جس نے بھی کیا، کیا مطلب؟؟ فارس نے کیا ہے یہ سب! اور اگر آپ اس کی وکالت کرنے آئی ہیں میرے سامنے تو پلیز اپنا وقت ضائع مت کیجیے گا۔''

''نہیں میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ اس نے یہ کیوں کیا؟! کیا کوئی وجہ بتائی تھی اس نے؟''

اتنی سادگی پہ زمر نے آنکھیں سکیڑ کر مشتبہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ آپ کو میری بات کا یقین ہے؟''

جواہرات نے مسکرا کر شانے ذرا سے جھٹکے۔

''میں جانتی ہوں تم سچ بول رہی ہو۔''

''اور آپ یہ کیسے جانتی ہیں؟ ہم دوسری دفعہ مل رہے ہیں!'' وہ سرد سا گھور کر بولی۔ اگر یہ اس سے قریب ہونے کی کوئی کوشش تھی تو وہ ہاشم کی ماں کو اس میں کامیاب نہیں ہونے دے گی۔

''کیونکہ میں اس اذیت کو پہچانتی ہوں جو غلط سمجھے جانے والے صحیح لوگوں کے چہروں پہ ہوتی ہے۔''

زمر کی مشکوک انداز میں ابھری آنکھوں میں الجھن ابھری۔

''اور آپ مجھ سے دوسری دفعہ ملاقات میں میرا چہرہ کیسے پڑھ سکتی ہیں؟''

جواہرات اٹھی اور قدم قدم چلتے کھڑکی تک گئی۔ باہر بارش کی ننھی ننھی بوندیں زمین پہ گر رہی تھیں۔ وہ چند لمحے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی پھر مڑی تو چہرے سے مسکراہٹ غائب تھی۔

اس کی جگہ افسوس تھا۔

''مجھے واقعی دکھ ہے جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا، کاش یہ سب نہ ہوا ہوتا۔ کیونکہ اس چیز نے تمہاری زندگی برباد کر دی۔ اور زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ کوئی تمہاری بات پہ یقین نہیں کر رہا۔ ہاشم کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ وہ کہہ رہا ہے اسے تم پہ یقین ہے تو یقیناً ایسا ہوگا۔ لیکن جہاں تک میری بات ہے، میں تمہیں نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے تم جھوٹ بول رہی ہو، ہو سکتا ہے سچ۔ لیکن میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب کسی کو درست ہوتے ہوئے نا قابل اعتبار سمجھا جائے تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے۔''

زمر کے تنے تاثرات قدرے ڈھیلے پڑے تھے مگر لہجے کی رکھائی برقرار تھی۔

''کم از کم میری فیلنگز آپ نہیں سمجھ سکتیں۔ آپ اپنی زندگی میں بہت عیش و آرام سے رہنے والی ایک ملکہ ہیں۔ آپ کی ایک سلطنت ہے۔ آپ کو ہم جیسے لوگوں اور ہمارے مسائل کی سمجھ نہیں آ سکتی۔''

جواہرات تلخی سے مسکرائی۔ اس کی پشت پہ موجود کھڑکی کے شیشے پہ پانی کی بوندیں تڑتڑ گرنے لگی تھیں۔

''میں واقعی ایک ملکہ ہوں، اس میں کوئی شک نہیں۔ میں اور میرا شوہر اس شہر کے بہترین کپلز میں چوتھے نمبر پہ شمار کیے جاتے

ہیں۔لیکن کیا تم یہ جانتی ہو کہ میں اس کی دوسری بیوی ہوں؟''

زمر نے بری طرح چونک کے اسے دیکھا۔لب 'اوہ' میں سکڑے۔

''پہلی بیوی تو مرگئی، اس کے بعد کتنی آئیں، میں نے حساب رکھنا چھوڑ دیا۔اب یاد ہے تو صرف نفرت جو میں اس سے کرتی ہوں۔ مگر ڈرتی بھی ہوں۔ملکہ بننا بھی آسان نہیں ہوتا۔''

زمر کے چہرے کی ناگواری اب خاموشی میں بدل گئی تھی۔وہ دھیان سے سن رہی تھی۔

''ہم سب اندر سے چکنا چور ہوتے ہیں، میں بہت سی باتیں اپنے شوہر سے کہہ نہیں سکی۔ایک دن آئے گا جب میں کہوں گی' جب میرے اندر کی شیرنی غرّائے گی۔لیکن تب تک....''اس نے بارش سے بھیگتے شیشے سے ہاتھ اٹھایا' مڑی اور کرب سے مسکرائی۔

''تب تک مجھے مصنوعی مسکراہٹوں کے ساتھ کھیلتے رہنا ہوگا۔''وہ واپس چلتی ہوئی آئی، کرسی پر بیٹھی اسی تمکنت اور رعونت سے' اور موتی کے ائیرنگ پہ انگلی پھیرنے لگی۔

''اور دوسری ملاقات میں تمہیں یہ سب میں کیوں بتا رہی تھی؟ تاکہ یہ سمجھا سکوں کہ اگر تم آج اپنے انتقام کے لیے کھڑی نہ ہوئیں تو کبھی نہیں ہوسکو گی۔اور اگر تم اس سفر میں اکیلی بھی رہ جاؤ میں تب بھی تمہارا ساتھ دوں گی۔''

زمر یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی، چہرے کی ساری تلخی' بے رخی' بے زاری سب غائب تھا۔جواہرات نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی' اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مجھے جانا ہے ایک میٹنگ میں' پھر ملاقات ہوگی۔''

''آپ بیٹھئے نا!''وہ بے اختیار بولی، تو اپنی آواز میں نرماہٹ محسوس ہوئی۔جواہرات نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''کسی کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے اپنی ذات کا ایک ٹکڑا توڑ کر اسے دکھانا ہوتا ہے، میں نے یہ کرلیا، مگر تکلیف مجھے بھی ہوئی ہے، اس لیے اب چلوں گی۔''نرمی سے کہتی وہ مڑ گئی۔آنکھ کا ایک کونہ بھیگ گیا تھا۔اورنگزیب، اس کی کی گئی تذلیل، دکھ، بے وفائی، سب یاد آ گیا تھا۔مگر باہر نکلنے تک وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

ویٹنگ روم میں حنین اسی طرح بیٹھی تھی' بال پتا نہیں کب کے برش کیے ہوئے، بددل' مرجھائی ہوئی سی۔سعدی اس کے مقابل اداس سا بیٹھا تھا۔بار بار نگاہیں پھوپھو کے کمرے کی طرف جاتی راہداری کی طرف اٹھتیں، پھر سر جھٹک کر بڑبڑا کر خود کو روک لیتا۔

دفعتاً کسی آہٹ پر اس نے سر اٹھایا، چوکھٹ میں شہرین کھڑی تھی۔سعدی بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا۔اس نے اشارہ کیا۔باہر بلانے کا اشارہ۔حنین اپنی سوچ میں گم تھی۔وہ خاموشی سے اٹھ کر شہرین کے پیچھے آیا۔

وہ راہداری میں کھڑی تھی سینے پہ بازو لپیٹے' فرصت سے اس کو آتے دیکھتی رہی۔

''جی کہیے مسز کاردار؟''

''آئی ایم سوری، میں تم سے ایکسکیوز کرنا چاہتی تھی۔میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کر دی تھی۔شیرو اور تمہارے بیچ مجھے نہیں آنا چاہیئے تھا۔''سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔پھر آنکھیں چندھیا کر اس کی ذہنی حالت جانچنا چاہی۔

''اِٹس اوکے۔''وہ بغور اس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''گڈ، یعنی کہ اب ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں؟ ہوں؟''وہ ہلکا سا مسکرائی۔اس کی گال کی ہڈی اٹھی ہوئی تھی جب مسکراتی تو آنکھیں چھوٹی ہو جاتیں۔

''کیا آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے؟''

''ابھی نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے مستقبل میں ہو۔'' اس نے ابرو اچکائے۔

''آپ بے فکر رہیے، نہ میں نے کچھ سنا تھا نہ میں کسی کو کچھ بتاؤں گا۔'' اس نے پچھلے سال کی اس بھولی بسری بات کی جانب اشارہ کیا۔

''تم بے فکر رہو' کیونکہ ہاشم کو پتا چل گیا تھا۔'' سعدی نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا؟''

''یہی کہ میرا اپنے کزن کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔ اور دیکھو اس نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔'' اس نے کف تان شرٹ کا کھلا آستین اوپر اٹھایا' کندھے کے قریب بازو کی جلد سامنے آئی۔ اس پہ جامنی سیاہ سے نیل تھے، کٹ بھی لگے تھے۔ سعدی بالکل ساکت سا رہ گیا۔

''یہ؟''

''یہ میرے شوہر نے مجھے پیٹا تھا، اب اس بات کو کافی دن گزر چکے ہیں۔ یہ پارٹی کے بعد کی بات ہے۔ اس لئے مجھے بالکل بھی کوئی ڈر نہیں رہا کہ تم کسی کو کچھ بتاؤ گے، چونکہ مجھے کوئی ڈر نہیں ہے تو میرے خیال سے ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔'' آستین نیچے کیا' دوبارہ سے مسکرائی۔ اسکے کندھے کو ہلکا سا تھپکا جیسے ہاشم تھپکتا تھا اور مڑ کر کوریڈور میں آگے چلتی گئی۔ سعدی جز بز سا اس کو جاتے دیکھتا رہا، عجیب سی تھی وہ۔ اس نے سوچا۔ اوں ہوں سر جھٹکا۔ اور آگے چلتا آیا۔

.....❖❖❖.....

کچھ حقیقت تو ہوا کرتی تھی افسانوں میں ..... وہ بھی باقی نہیں اس دور کے اِنسانوں میں

زمر کے کمرے کے قریب سامنے ندرت' فضیلہ اور حماد کے ساتھ کھڑی تھیں۔ وہ خاموشی سے ان کے پاس جا کھڑا ہوا۔ حماد اکھڑا اکھڑا سا لگ رہا تھا۔ فضیلہ ہی ساری باتیں کر رہی تھیں۔ اور وہیل چیئر پہ بیٹھے بڑے ابا بس آس طلب نگاہوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ پتا نہیں اب آگے کیا ہوگا؟ پتا نہیں اب آگے کیا ہوگا؟۔ فضیلہ کی ہر بات میں پریشانی اور کبھی رکھائی سے ایک ہی فقرہ بار بار آتا۔ ان کے تاثرات ہر شخص سمجھ رہا تھا، ان کا بھی قصور نہیں تھا۔

''ہم کوشش کر رہے ہیں بہت جلد اس کو کڈنی ڈونر مل جائے گا۔ اور پھر وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔'' بڑے ابا نے امید دلانے کی کوشش کی۔ حماد نے سنجیدگی سے انھیں دیکھا۔

''ڈونیٹڈ کڈنی کتنا عرصہ چلتا ہے؟'' الفاظ تھے کہ چابک۔ بڑے ابا کے منہ پہ لگے۔ وہ بس اس کو دیکھ کے رہ گئے۔

پھر آہستہ سے بولے۔

''عیسائی جب شادی کرتے ہیں تو ایک حلف اٹھاتے ہیں' کہ غریبی میں اور امیری میں، بیماری میں اور صحت میں ہم ساتھ رہیں گے۔ حتیٰ کہ ہمیں موت جدا کر دے۔ صد شکر کہ ہمارے یہاں یہ حلف نہیں اٹھایا جاتا ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑھ جاتے۔''

حماد بے زاری سے رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ فضیلہ جلدی سے بات بدلنے لگیں، تبھی جواہرات کا ردار باہر آتی دکھائی دی۔ سعدی کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ وہ مسکرائی تو وہ بھی مسکرایا۔ اس فیملی کو دیکھ کے کتنی تسلی ملتی تھی۔ جیسے ہر مشکل میں ان کے ساتھ ہوں۔

''مجھے امید ہے کہ آپ کی بیٹی بہت جلد صحت یاب ہو جائے گی اور اگر نہ ہو تب بھی وہ اتنی قیمتی ہے کہ اس کے ساتھ پہ اس کی زندگی کے ساتھی کو فخر ہوگا۔'' ساتھ ہی جواہرات نے حماد کو دیکھا' اس کا حماد سے تعارف نہیں تھا پھر بھی وہ سمجھ گئی تھی۔ یہی ہے بے چارہ منگیتر۔ سعدی ان کا تعارف کروانے لگا۔

''اورنگ زیب کاردار کی بیوی' ہاشم کاردار کی ماں۔'' فضیلہ اور حماد کے تاثرات فوراً بدلے۔ بہت خوشدلی سے ان سے ملے۔ اس کے ملازم دور کھڑے تھے۔ اور پھر اسکا رعب' تمکنت سے اٹھی گردن، گہری آنکھیں اور ان کی مسکراہٹ۔ وہ تو تھی بھی ملکہ۔ سوائے بڑے ابا کے، اسکے آگے بچھنے والوں کی کمی نہ تھی۔

''تم پریشان مت ہو۔'' اس نے نرمی سے حماد کو مخاطب کیا۔ ''وہ ٹھیک ہو جائے گی، اور تم لوگوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہو گی۔ اور۔۔۔ کیا تم مجھے آفس تک کمپنی دو گے؟ زمر ہماری فیملی ہے، اور اس کے فیانسی سے دوبارہ ملاقات کا وقت جانے ملے یا نہیں۔'' ساتھ ہی امید افزاء نگاہوں سے سعدی کو دیکھا۔ وہ مسکرا دیا' یقیناً اب وہ اس کو سمجھائے گی، اور جواہرات تو جواہرات تھی۔ وہ کہے اور کوئی انکار کرے ایسا تو نہیں ہو سکتا تھا۔ حماد بے ساختہ ''جی بالکل شیور'' کہنے لگا۔ جواہرات آگے چلتی گئی۔ حماد فوراً پیچھے لپکا۔ فضیلہ بیگم نے تذبذب سے ان دونوں کو جاتے دیکھا۔ مگر کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں۔

باہر بارش اب تھم چکی تھی۔ کار کے قریب آ کر جواہرات نے مسکرا کر ڈرائیور کو کہا۔ ''آفس سے دوسری گاڑی منگوا کر شہرین کو لے جانا اور اب اپنی شکل گم کرو۔'' اور ہتھیلی پھیلائی۔ اس بے چارے نے جلدی سے چابی اس کے ہاتھ پہ رکھی اور واقعی وہاں سے گم ہو گیا۔ وہ حماد کی طرف مڑی۔

''آفس کا ایڈریس میں تمہیں سمجھا دوں گی۔ ایسی کار ڈرائیو کرنے کے موقعے کو امید ہے تم ضائع نہیں کرو گے۔'' اور گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف بڑھ گئی، حماد نے چابی دیکھی' اور پھر اس چمکتی ہوئی کار کو، آنکھیں جیسے خیرہ ہو گئیں۔

جواہرات پچھلی نشست کیساتھ کھڑی ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔ وہ جو پہلے اپنا دروازہ کھولنے لگا تھا' رکا۔ پھر تیزی سے ادھر آیا، اس کے لئے دروازہ کھولا۔ وہ تمکنت سے اندر بیٹھی۔ حماد نے دروازہ بند کیا اور واپس ڈرائیونگ سیٹ تک آیا۔

''یہاں سے سیدھا لے لو۔'' اس نے محض اتنا کہا۔ اور وہ خود کو بہت پراعتماد ظاہر کرتا ڈرائیو کرنے لگا۔

گاڑی سڑک پہ رواں دواں تھی۔ جواہرات سر جھکائے اپنے موبائل پہ فون بک کھول رہی تھی۔ حماد مرعوب سا، خاموش سا، ڈرائیو کرتا جا رہا تھا۔

''بے فکر رہو، وہ ٹھیک ہو جائے گی۔'' اس نے کانٹیکٹس کی فہرست آہستہ آہستہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔ حماد نے بیک ویو مرر میں سے دیکھا۔ اور پھر سامنے ونڈ اسکرین کو۔

''جی۔'' بس وہ اتنا کہہ سکا۔

''امید ہے اسے ڈونر کڈنی مل جائے گا۔ سال ڈیڑھ تو چل ہی جائے گا۔ بے کار ہو گیا تو کوئی بات نہیں ڈائلیسز پہ آ جائے گی۔ ہفتے میں دو دفعہ ہی تو کروانا پڑے گا۔ اتنی اچھی لڑکی کے لئے تو تم اتنی قربانی دے ہی سکتے ہو۔'' وہ اے والے نمبرز سے گزرتی بی پہ آ گئی تھی۔

''رہا بچوں کا سوال' تو وہ زندگی کا مقصد تو نہیں ہوتے۔ نہ بھی ہو سکیں تو کوئی بات نہیں، اڈاپٹ کر لینا۔'' ہلکے سے شانے اچکاتے ہوئے اس کا انگوٹھا اسکرین کو مسلسل نیچے کئے جا رہا تھا۔ ڈی اور پھر ای' ابھی تک مطلوبہ شخص سامنے نہیں آیا تھا۔ حماد کے چہرے پہ چھایا تفکر بڑھتا گیا۔ البتہ وہ خاموشی سے محض 'جی' کر کے رہ گیا۔ جواہرات اسے زمر کے لیے قائل کر رہی تھی یا اس سے متنفر، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''دیکھو زندگی میں ہر چیز پرفیکٹ تو نہیں ملتی۔ میرا خیال ہے وہ ایک اچھی لائیر ہے' اور تمہارے ساتھ اسٹریلیا جا کر بھی اپنی پڑھائی اور جاب جاری رکھ سکے گی۔ نہ بھی رکھ سکی تو تم ایک کمانے والے بہت ہو۔ نہیں؟'' حماد کی آنکھوں میں مزید تناؤ آ گیا۔ اس نے سر کو اثبات میں خم دیا' اب کہ 'جی' تک نہیں بولا۔ جواہرات کا اسکرین پہ چلتا انگوٹھا ایک دم رکا۔ لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ یہ جے کی فہرست تھی' جیلانی' رقیب جیلانی۔ اس نے اس نمبر پہ ایک ٹیکسٹ بھیجا۔

''میرے آفس کے باہر میرا انتظار کریں۔'' اور فون رکھ کے سر اٹھا کر چمکتی نگاہوں سے حماد کو دیکھا۔ یہاں سے اس کے سر کی پشت ،کان اور آدھے چہرے کے تنے تاثرات وہ دیکھ سکتی تھی۔

''آگے کا کیا ارادہ ہے؟''

''کچھ کہہ نہیں سکتا' قسمت جس طرف لے جائے،'' وہ احتیاط سے تول تول کے اتنا ہی کہہ سکا۔

آفس کے سامنے وہ اترے تو جواہرات تیز تیز چلتی آگے بڑھ گئی، حماد تابعداری سے اس کے پیچھے تھا۔ مطلوبہ فلور پہ پہنچ کر بھی وہ اس سے آگے ہی چلتی جا رہی تھی۔ ارد گرد مؤدب ہو کر رکتے اور سلام کرتے لوگوں کو مسکرا کر سر کے خم سے جواب دیتی وہ آگے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ ایک آفس کے سامنے آ رکی۔ وہاں ایک سوٹ میں ملبوس ادھیڑ عمر صاحب بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتے متفکر سے نظر آ رہے تھے۔ جواہرات کو آتے دیکھ کر چہرے پہ چمک آئی۔ آگے بڑھے۔

''میم میں آپ کا انتظار کر رہا تھا۔'' جواہرات نے مسکراتے ہوئے ان سے حماد کا تعارف کروایا۔

''یہ ہمارے عزیز ہیں حماد۔ اور حماد یہ ہاشم کی ایک کمپنی کی طرف سے آسٹریلیا میں ہوتے ہیں، آدھا سال یہاں اور آدھا وہاں بچوں کے پاس ادھر کی نیشنلٹی بھی ہے مگر رہتے یہیں ہیں۔'' پھر اسی شیریں مسکراہٹ کے ساتھ جیلانی صاحب کو دیکھ کر بولی۔

''حماد ایک انجینئر ہے اور آسٹریلیا میں جاب کرتا ہے۔ آپ کو اس سے مل کر خوشی ہوگی۔'' ساتھ ہی کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔

''ہاشم میرا انتظار کر رہا ہوگا' میں چلتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھی تو خوش دلی سے حماد سے مصافحہ کرتے ہوئے جیلانی صاحب ایکسکیوز کر کے دو قدم جواہرات کے پیچھے آئے۔ حماد وہیں ملے جلے تاثرات میں گھرا کھڑا رہ گیا۔ خوش ہونا چاہیے یا پریشان؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

''میں اس لڑکے کا کیا کروں؟ مجھے تو وہاں کسی کی ضرورت نہیں ہے۔'' جیلانی صاحب نے آگے بڑھتی جواہرات کے قریب آ کر ہلکی سی سرگوشی کی۔ وہ مسکرا کر ان کی طرف پلٹی، چمکدار آنکھوں سے انہیں دیکھا۔

''کیا آپ کو اپنی بیٹی کے لئے ایک پڑھے لکھے، خاندانی' اور خوش شکل گدھے کی ضرورت نہیں تھی؟'' جیلانی صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں، سرخود بخود اثبات میں ہل گیا۔

''گڈ' تو پھر میں نے اسے ڈھونڈ لیا۔ یو آر ویلکم''۔ ان کے تھینکس کا انتظار کیے بغیر وہ مڑ کر آگے بڑھ گئی۔ جیلانی صاحب اب کے زیادہ گرم جوشی سے مڑے، اور حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھے اسے اپنے ساتھ آگے لے گئے۔

وہ ہاشم کے آفس میں آئی تو وہ ریوالونگ چیئر پہ بیٹھا' کہنیاں میز پہ رکھے انگلیوں کے پوروں سے آنکھیں مسل رہا تھا۔ کوٹ پیچھے ٹنگا تھا اور شرٹ کے کف مڑے ہوئے تھے۔

''تمہارے اور شہرین کے درمیان کوئی لڑائی ہوئی ہے؟'' آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا۔ چہرے پہ تعجب ابھرا۔

''آپ کو کس نے کہا؟'

''شہرین کے موڈ نے''۔ وہ کہنی پہ ٹکا پرس بے نیازی سے میز پہ رکھتی اس کے سامنے بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی اور گلے میں پڑی چین انگلی پہ لپیٹتی مسکرا کے گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ہاشم نگاہیں چرا گیا۔

''اگر ہوئی بھی ہے تو کیا؟ میں ہمیشہ کی طرح اس کو معاف کر دوں گا۔ اور اگر معاف نہ کر سکا تو چھوڑ دوں گا۔''

''یعنی تمہیں معلوم ہو گیا کہ اس کا اپنے کزن سے افیئر تھا۔'' اس نے ایک دم بری طرح چونک کر ماں کو دیکھا۔

''کیا آپ جانتی تھیں؟''

''بالکل''

''تو پھر مجھے کوئی کیوں نہیں بتایا؟''

''بتانے سے تم ناخوش ہو جاتے، اور میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ بہرحال...'' جواہرات نے بات بدلنے کے سے انداز میں سر جھٹکا۔

''فارس کے کیس کا کیا بنا؟'' ہاشم بے زاری سے کرسی پہ پیچھے کو ہوا۔ خود بھی شہرین نامے کو ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ قلم اٹھا کر انگلیوں میں گھماتے ہوئے بولا۔

''اگر زمر اپنے بیان پہ قائم رہے تو کیس بہت مضبوط ہے۔''

''وہ رہے گی۔'' پھر آنکھوں سے گلاس ڈور کے پار اشارہ کیا۔ ہاشم نے اس طرف دیکھا۔ جیلانی صاحب' حماد کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر اسے اپنے ہمراہ لئے آہستہ آہستہ مختلف کیبنز کی طرف اشارہ کرتے بتاتے جا رہے تھے۔ وہ کافی آرام دہ لگ رہا تھا۔

''یہ کون ہے؟''

''زمر کا منگیتر۔'' ہاشم نے ایک دم اکتا کر ماں کو دیکھا۔

''ممی آپ کیا کرتی پھر رہی ہیں؟ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں ہر چیز سنبھال رہا ہوں تو پھر یہ سب کیا ہے؟''

''میں نے کچھ نہیں کیا' صرف ایکسیلیٹر پہ پاؤں رکھا ہے' یہ منگنی ویسے ہی ٹوٹ جانی تھی۔ جتنی جلدی ٹوٹے گی اتنا زیادہ زمر اپنے بیان پہ قائم رہے گی۔ ورنہ تم اس کے خاندان کو جانتے ہو' وہ اسے بیان بدلنے پہ مجبور کر سکتے ہیں۔'' ہاشم کے لئے اتنا بہت تھا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے کھڑا ہوا۔

''رات کو کھانے پہ ملتے ہیں۔'' کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

کوریڈور سے گزرتے ہوئے جیلانی صاحب نے اسے دیکھ کر گرم جوشی سے حماد سے تعارف کروانے کی کوشش کی۔

''یہ ہاشم...'' مگر وہ ایک نظر بھی ڈالے بغیر سخت تاثرات کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ اورنگ زیب کے آفس کا دروازہ زور سے کھولا۔ وہ اندر اپنی کیمپین کے لوگوں اور اس پی کیپ والے کنسلٹنٹ کے ساتھ مصروف نظر آ رہے تھے۔ ہاشم نے سخت نگاہوں سے صرف ایک اشارہ کیا اور وہ سب اپنی اپنی چیزیں اٹھائے باہر نکل گئے۔ اورنگ زیب قدرے تشویش سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ میز کے سامنے آیا اور بولا۔

''میں علیشا کے معاملے کو سنبھال لوں گا' لیکن پھر آپ کو ایک قربانی دینی پڑے گی۔''

''اور وہ کیا؟''

''وہ فارس کی ایلی بائی ہے، اگر آپ چاہتے ہیں کہ وہ لڑکی چپ چاپ یہاں سے چلی جائے تو پھر وہ فارس کے حق میں بیان نہیں دے گی۔ علیشہ کے جانے کا مطلب ہے فارس جیل سے نہیں نکلے گا۔'' اورنگ زیب کا ردار ماتھے پہ بل لئے اس کو سنتے رہے۔ چند لمحے کی خاموشی چھائی رہی۔

''عجیب اتفاق ہے' کہ دونوں کیسز میں وہی لڑکی اس کی ایلی بائی ہے۔''

''پھر میں علیشا کو یہاں سے بھیج دوں گا، لیکن آپ فارس کو نکلوانے کی بالکل کوشش نہیں کریں گے۔'' اورنگ زیب کا ردار نے ہلکے سے شانے جھٹکے۔

''مجھے اس کی بے گناہی کا یقین نہیں ہے' یقیناً اس نے علیشا کو کچھ دے کر اس گواہی پہ مجبور کیا ہوگا۔ تو ٹھیک ہے وہ چلی جائے یہ زیادہ بہتر ہے۔''

ہاشم ان کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتا مڑ گیا۔ تیز تیز چلتا باہر آیا۔ باقی لوگ تو بکھر گئے تھے صرف کنسلٹنٹ لڑکا جو وہاں کھڑا تھا، فوراً سے اس کی طرف لپکا۔

''اگر ان خفیہ میٹنگز کا تعلق اس لڑکی سے ہے جو اس دن آئی تھی تو میں آپ کو بتا سکتا ہوں ہمیں اسے کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ یہ وہ ایسی لڑکیاں.....''

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کر پاتا، ہاشم نے جھپٹ کر اسے گردن سے پکڑا، دیوار سے لگایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر انگلی اٹھا کے، چبا چبا کر بولا۔

''آئندہ میرے مخاطب کئے بغیر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو تمہیں یہیں پہ گاڑ دوں گا۔ سمجھ آئی؟'' ہکا بکا سے لڑکے کی گردن چھوڑی' اپنے کوٹ کی نادیدہ شکن درست کی اور اسے گھورتا ہوا واپس مڑ گیا۔ منع کیا تھا اس نے اپنے باپ کو یہ سیاست اور اس کے معاملوں میں پڑنے اور پھر اس جیسے تازہ گریجویٹ ہوئے خود کو ماہر اینالسٹ سمجھنے والے لڑکوں کو بھاری تنخواہوں پہ رکھنے سے، مگر نہیں اس کی کون سنتا تھا ادھر۔ یا شاید اسے غصہ بہت آ رہا تھا آج کل۔

وہ کہیں بھی نہیں گیا۔ گاڑی میں بے مقصد ڈرائیو کرتا رہا۔ اور پھر رکا تو سامنے ایک فلورل مارکیٹ تھی۔ ہاشم اترا ایک بڑا سا گلدستہ لیا' اسے فرنٹ سیٹ پہ رکھا اور جب دوبارہ ڈرائیو کرنے لگا تو آنکھوں میں شدید کرب تھا۔

اب کہ وہ اترا تو سامنے قبرستان تھا۔ وہ پھول ہاتھ میں پکڑے' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا قبروں کے درمیان سے گزرنے لگا۔ زرتاشہ غازی' وارث غازی۔ یہ قبریں قریب قریب تھیں۔ کہیں آس پاس زمر کی والدہ کی قبر بھی تھی۔ اور سعدی کے والد کی بھی۔ مگر وہ صرف زرتاشہ کی قبر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ جھک کر بہت ادب سے گلدستہ اس کے اوپر رکھا پھر سیدھا ہوا' پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سر جھکائے۔، جوتے سے مٹی پہ پڑا کوئی کنکر مسلتے ہوئے وہ کتنی دیر کھڑا لب کاٹتا رہا۔

''آئی ایم سو سوری زرتاشہ' تم بہت پیاری بہت معصوم سی تھیں، میں واقعی ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میری مجبوری تھی۔ بہت سے لوگوں کی خوشیوں کے لئے کسی ایک کو قربانی تو دینی پڑتی ہے۔'' ہولے سے بڑبڑاتے ہوئے اس نے اداس نظروں سے قبر کے قطبے کو پڑھا۔

''مگر شاید تمہارے لئے یہی بہتر تھا۔ تم فارس کے ساتھ خوش نہیں تھیں، تمہیں ایک جنت میں رہنے کی آرزو تھی۔ امید ہے اب وہ پوری ہو گئی ہو گی۔ زیادہ امید ہے کہ فارس بھی جلد تمہیں جوائن کر لے گا۔ تم دونوں ہم سے زیادہ خوش رہو گے۔ تمہارے لئے اچھا ہی ہوا۔'' سر اثبات میں ہلاتے اسے جیسے تسلی ہوئی۔

پھر بھی وہ کافی دیر وہاں کھڑا رہا۔ بارش کے بعد کی گیلی ہوئی مٹی کی سوندھی خوشبو اور قبروں کا سناٹا' آس پاس خاموشی سے تیرتا رہا۔

.....❖❖❖.....

ہم سے ہمارے حال کی تفصیل پوچھیے ..... ہمدردیوں کے نام پر سازش بہت ہوئی

ماحول میں عجیب سا تناؤ تھا' سعدی مضطرب اور بے بس سا کھڑا سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ جہاں فارس نفی میں سر ہلاتا دائیں سے بائیں ٹہل رہا تھا اس کے چہرے پہ شدید غصہ تھا جیسے بس نہ چلتا ہو وہ کسی کا گلہ دبا دے۔ پھر ایک دم وہ سامنے آیا دونوں ہاتھوں سے سلاخوں کو پکڑ کر اسی طیش سے سعدی کو دیکھا۔

''میں نے نہ کوئی کال کی تھی نہ میں اس دوہرے قتل میں ملوث ہوں۔ اگر تمہاری پھوپھو یہ بات بار بار کر رہی ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ جانتی ہیں یہ سب کس نے کیا۔ اور وہ کسی کو کور کر رہی ہیں۔'' گھنگھریالے بالوں والے لڑکے کے چہرے پہ چھائی ندامت مین حزن بھر گیا۔

''پھوپھو جھوٹ نہیں بولتیں، انہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''کس قسم کی غلط فہمی؟ وہ کہہ رہی ہیں کہ میں نے یہ قتل کئے ہیں اور تم کہہ رہے ہو غلط فہمی؟'' اس نے غصے سے سلاخ کو جھٹکا دیا۔ مگر وہ سلاخیں بہت مضبوط تھیں یہ جھٹکے ان کو توڑنے کے لئے ناکافی تھے۔ فارس بے بسی سے سلاخوں سے پشت ٹکائے کھڑا ہو گیا۔ اس کا چہرہ اب سعدی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ دیکھنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہی اپنے ماموں کا مجرم ہے کیونکہ وہ اس کے سامنے مسلسل زمر کی طرف داری کر رہا تھا۔

''کیا پتا کسی نے پھوپھو کو مجبور کیا ہو؟ ڈرایا ہو، دھمکایا ہو؟ اتنا خوفزدہ کر دیا ہو کہ وہ یہ سب کہنے پر مجبور ہو گئیں ہوں۔'' فارس نے اس کی طرف پشت کئے استہزائیہ سر جھٹکا۔

''میں نہیں مانتا، کس قسم کی خاتون ہیں وہ جانتا ہوں میں۔ انہیں کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ وہ اپنی مرضی سے کسی کو کور کر رہی ہیں۔''

''آپ فکر مت کریں ہم اس مسئلے کا حل نکال لیں گے۔ پھوپھو اپنا بیان واپس لے لیں گی۔ میں اور ہاشم بھائی آپ کو....''

فارس بھپر کر اس کی طرف مڑا۔ ''بھاڑ میں گیا ہاشم۔ مجھے اس کی کسی بات پہ یقین نہیں ہے نہ اسکے کئے گئے وکیل پر نہ اس کے کسی وعدے پر۔ وہ تو سب سے زیادہ خوش ہو گا مجھے یہاں دیکھ کر۔'' سعدی کی آنکھوں میں گہرا دکھ ابھرا۔

''آپ ان کے بارے میں ایسا کیوں سوچتے ہیں؟ سب کزنز کے درمیان رقابتیں جھگڑے چلتے ہیں لیکن اس یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آپ کو یہاں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہی آپ کے لئے سب سے زیادہ کوشش کر رہے ہیں۔''

''میں ہاشم کو تم سے زیادہ جانتا ہوں، وہ جان بوجھ کر یہاں آتا ہے، تاکہ مجھے یہاں دیکھ کر فاتحانہ مسکرا سکے۔ اگر آج کوئی اٹھ کر یہ کہہ دے کہ میرے بیوی اور بھائی کا قتل بھی ہاشم نے کیا تھا تو میں مان لوں گا۔'' غصے میں وہ جانے کیا کیا بولے جا رہا تھا۔ سعدی بے یقینی اور دکھ سے پیچھے ہٹا، اسے اتنا گہرا صدمہ لگا تھا کہ وہ کچھ کہنے کے قابل بھی نہ رہا تھا۔ مگر کہنے کی نوبت آئی بھی نہیں۔ کیونکہ چند منٹ کے لئے ان کو چھوڑ کر باہر گیا ہاشم واپس آ گیا تھا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔'' آواز پہ سُن سے کھڑے سعدی نے چونک کر سر موڑا، اور غصے سے تیز تیز بولتے فارس نے رک کر ادھر دیکھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، گرے سوٹ میں ملبوس ہاشم کے چہرے پہ سنجیدگی تھی اور گہرا ملال بھی۔

''بالکل ٹھیک، میں ہی گدھا، اُلو کا پٹھا ہوں جو اپنے ہزار کام چھوڑ کر تمہارے لئے دن رات ایک کر رہا ہوں۔ میری ماں کبھی ڈی اے کے پاس جاتی ہے، اور کبھی اس کے منگیتر کے پاس کہ کسی طرح اس کا یہ رشتہ بچ جائے۔ تاکہ وہ اپنی زندگی میں پرسکون ہو کے اپنی محرومیوں کا بدلہ تم سے نہ لے۔ اپنی بیوی، اپنی بچی، ان کو کتنے دن سے نظر انداز کر کے میں ادھر تمہارے لئے خوار ہو رہا ہوں اور تمہیں یہ لگتا ہے کہ میں یہاں مزہ لینے آتا ہوں۔'' جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا وہ سلاخوں کے قریب آیا۔ فارس ابھی تک انہی سنجیدہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سعدی نے پریشانی سے ہاشم کو دیکھا۔ وہ بہت ہرٹ لگ رہا تھا۔

''مجھے تمہاری کسی بات پہ اعتبار نہیں ہے، سب یاد ہے مجھے کس طرح میری بیوی کو میرے خلاف بہکاتے تھے۔'' فارس جواباً غرایا۔

''جیسا کہ میں نے کہا، میں ہی بے وقوف تھا جو اتنے دن سے تمہارے لئے کوششیں کر رہا تھا۔ حلانکہ میرا باپ جس کا تم سے رشتہ مجھ سے زیادہ سے ہے۔ تم پہ لعنت بھیج کر اپنی کیمپین میں مصروف ہے، اس لئے یونو واٹ فارس؟ تمہاری یہ بلیم گیم دیکھ کر مجھے بھی یقین ہونے لگا ہے کہ تم ہی اس دوہرے قتل کے پیچھے ہو۔ میری طرف سے تم سڑو اس جیل میں، میں جا رہا ہوں۔'' دکھ اور برہمی بھری آنکھوں سے اس کو دیکھتا وہ پلٹا اور تیز تیز باہر نکل گیا۔ سعدی تیزی سے سلاخوں کے قریب آیا۔

''آپ کیوں اپنے غصے میں بے قابو ہو جاتے ہیں؟ وہ ہاشم بھائی ہیں۔ آپ کو پتا ہے وہ کتنے دن سے یہاں پہ خوار ہو رہے ہیں

ے ساتھ۔آپ کے وکیل کی فیس، تمام اخراجات، پولیس آفیسر سے سفارشیں ہر چیز وہی کر رہے ہیں۔اور آپ پھر بھی انہی کو الزام دے رہے ہیں۔مائی گاڈ۔'' وہ بے حد بے یقین تھا، اور جیسے ہاشم سے زیادہ ہرٹ ہوا تھا۔فارس نے غصے سے سر جھٹکا۔

''میں کسی پہ الزام نہیں دے رہا، میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔''

''آپ نے کہا کہ وہ اس قتل میں ملوث ہیں، آپ نے ان پہ اتنا بڑا الزام لگا دیا۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا، ظاہر ہے وہ اس میں ملوث نہیں ہے۔اس کا میرے بھائی یا بیوی سے کیا لینا دینا۔لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ وہ میرے ساتھ مخلص ہے۔وہ ہاشم کا رازدار ہے، اگر وہ چاہتا تو میں دو منٹ میں باہر ہوتا' میں باہر اس لئے نہیں ہوں کیونکہ اس نے چاہا ہی نہیں۔'' سعدی نے افسوس سے اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی' کہ میرے اردگرد کے اتنے صحیح لوگ اتنی غلط باتوں پہ کیوں اڑ چکے ہیں؟'' اور گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھتا ہاشم کے پیچھے باہر کو لپکا۔

وہ پولیس اسٹیشن کے باہر اپنی کار کے ساتھ کھڑا تھا' جیبوں میں ہاتھ ڈالے دور افق کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں کوئی سوچ تھی' اذیت بھی تھی۔لب بھنچے ہوئے تھے، سعدی کو بے پناہ شرمندگی نے آن گھیرا۔وہ جلدی سے اس کے قریب آیا۔

''میں آپ سے معذرت کرتا ہوں ماموں کی طرف سے۔وہ غصے میں کہہ گئے جو بھی کہا۔لیکن آف کورس ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔''

ہاشم نے انہی نظروں سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کوئی آدمی اپنے بھائی کو قتل کیسے کر سکتا ہے، اسی لئے میں نے سوچا کہ فارس نے یہ نہیں کیا ہوگا۔بالکل ایسے ہی میں یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کوئی آدمی اپنے بھائیوں جیسے کزن پہ یہ الزام کیسے لگا سکتا ہے۔مگر رکو۔کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میں فارس کے ساتھ مخلص نہیں ہوں؟ یا اس سب میں میرا ہاتھ ہو سکتا ہے؟؟'' سعدی نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔

''آف کورس نہیں، انہوں نے خود ابھی کہا کہ ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔وہ غصے میں کہہ گئے۔پلیز آپ دل پہ مت لیں۔'' پھر فکر مندی سے متذبذب سا بولا۔

''ہمیں آج لائیر کے پاس بھی جانا تھا' ہاشم بھائی آپ وہاں جا رہے ہیں نا؟'' اس کے دل کو دھڑکا لگ گیا تھا، ہاشم کے چہرے پہ زہریلی مسکراہٹ ابھری۔

''اگر تمہیں لگتا ہے کہ فارس کی باتوں کی وجہ سے میں اس کے لئے بہترین وکیل نہیں کروں گا یا وکیل کو فیس دینا یا اس کی سفارشیں کرنا بند کر دوں گا تو تم ہاشم کاردار کو نہیں جانتے۔آف کورس' ہم ابھی وکیل کے پاس جائیں گے۔ہم بہترین اسٹریٹجی اپنائیں گے اور چند دن میں فارس باہر ہوگا۔ڈونٹ وری۔'' تکان سے کہتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا۔

''آپ خود بھی تو یہ کیس لڑ سکتے ہیں!''

''فارس اور میرا ایک رشتہ بھی ہے جو اتنا اچھا نہیں ہے۔میں پیسے بچانے کو اس کے لیے شہر کا بہترین وکیل نہ کروں، تو یہ میرے نزدیک غلط ہے۔میرے ساتھ وہ کبھی بھی آرام دہ ہو کر بات نہیں کرے گا۔اپنے وکیل سے کر لے گا۔میں لوگوں کے لئے بغیر کسی صلے کی امید کے فیورز کرتا رہتا ہوں، دکھ صرف اس بات کا ہے کہ جس کزن کے لئے میں اپنی بیوی کو بھی ٹائم نہیں دے پا رہا تھا جس کی وجہ سے وہ مجھ سے لڑ بھی پڑی۔اس کزن نے مجھے یوں کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔'' سر جھٹکتے ہوئے چابی نکالتا وہ کار کا ڈرائیونگ ڈور کھول رہا تھا۔سعدی نے ایک دم چونک کے اسے دیکھا۔نگاہوں کے سامنے اسپتال کا منظر گھوما، بازو سے آستین اوپر کر کے اپنے زخم دکھاتی شہرین، اسکی آنکھوں کا کرب اور اس کے راز کھل جانے کے بعد کی بہادری۔وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی، ان کی واقعی لڑائی ہوئی تھی۔مگر فارس کی وجہ سے نہیں، تو پھر۔۔۔وہ ایک دم

ہاشم کو دیکھنے لگا۔ وہ بالکل مختلف بات کر رہا تھا۔

''چلو'' ہاشم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

خیال کی دھند ہٹی' تو ہاشم کے چہرے کا ملال نظر آیا وہ ابھی تک فارس کی باتوں پہ افسردہ تھا۔ سعدی ذہن سے تمام سوچوں کو جھٹک کر گھوم کر فرنٹ سیٹ کی طرف آیا۔ وہ بھی پتا نہیں کیا سوچنے لگا تھا۔

.....❖❖❖.....

وہ کانٹا ہے جو چبھ کر ٹوٹ جائے ..... محبت کی بس اتنی داستاں ہے

حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر گھسیٹتی اسپتال کی راہداری میں آگے لا رہی تھی۔ وہ افسردہ سے گردن ایک جانب جھکائے بیٹھے تھے۔ زمر کو سمجھایا' منت کی' مان جتایا' مگر وہ ہمیشہ کی طرح ہٹ دھرم اپنی بات پر اڑ چکی تھی۔ چونکہ اس نے کہہ دیا' کہ وہ فارس تھا' تو اب قیامت تک وہ فارس ہی تھا جس نے اسے کال کی تھی۔ وہ ایک اِنچ بھی اپنے مؤقف سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ چونکہ میڈم رمشہ اس سے ملنے آئیں تھیں' اس لئے انہوں نے حنین سے کہا کہ وہ انہیں باہر لے جائیں۔ اور اب وہ دونوں باہر جا رہے تھے۔ حنین بھی خاموش تھی' اور بڑے ابا بھی۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

''بڑے ابا! کیا کبھی چیزیں ٹھیک ہوں گی؟''

انہوں نے گردن اٹھائے بغیر کہا۔ ''شاید۔'' وہ وہیل چیئر دھکیلتی آگے نکلتی گئی۔

راہداری میں بینچ پہ سر ہاتھوں میں گرائے سعدی نے پہیوں کی آواز سنی مگر چہرہ نہیں اٹھایا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ اَپ سیٹ تھا۔ ندرت اس کو پُر امید نظروں سے دیکھتی تھیں کہ وہی پھوپھو کو سمجھائے۔ فارس کا رویہ' ہاشم کی تمام کوششیں' کچھ بھی ان کے حق میں جاتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ زمر کے بار ہا اپنے بیان پہ ڈٹے رہنے کے بعد' ندرت اسپتال نہیں آئی تھیں۔ بہانہ سارہ کا تھا۔ بھائی مرا ہے' بھابھی اکیلی ہے' اسکی بچیاں' ان کا خیال۔ وہ جانتا تھا کہ وہ فارس کی وجہ سے پھوپھو سے کھنچ سی گئیں ہیں۔ مگر اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک تھیں۔ شاید اپنی جگہ زمر بھی ٹھیک تھی۔ مگر ٹھیک تو وہ بھی تھا۔ صرف حالات غلط تھے۔

وہ اسی طرح سر جھکائے بیٹھا رہا' یہاں تک کہ میڈم رمشہ باہر نکلیں۔ اس کے قریب آ کے رکیں' کسی احساس کے تحت سعدی نے سر اٹھایا۔ پھر ستے ہوئے چہرے کے ساتھ مسکرا کر کھڑا ہو۔

''السلام وعلیکم میم!'' اَدب سے سر کو خم دے کر سلام کیا۔ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

''بہت اَفسوس ہوا زمر کا' اللہ اس کو صحت دے۔'' سعدی نے افسردگی سے ہاں میں گردن ہلائی۔

''پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟ کتنے سال رہ گئے ہیں؟''

''بس دو۔''

''اور کتنے دن کی چھٹی پہ آئے ہو؟'' وہ ساتھ ہی بینچ پہ بیٹھ گئیں' سعدی دوسرے کنارے پہ الرٹ سا ٹک گیا۔ اس بنچ کی تین ہی نشستیں تھیں' اب درمیان کی خالی تھی۔

''بس' دو ہفتے رہ گئے ہیں' پھر واپس جانا ہے۔''

''آپ کے ماموں کا بھی ابھی سنا' بہت اَفسوس ہوا بیٹا۔'' وہ شائستگی اور لحاظ سے تعزیت کر رہی تھیں۔ سعدی سنتا گیا' چند ایک تفصیلات بتائیں' کس طرح ہوا؟ کیا ہوا؟ اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی گفتگو کا رخ فارس کی طرف مڑ گیا۔

''کیا آپ زمر کو سمجھا نہیں سکتیں؟ کہ وہ ماموں کے خلاف دیا گیا بیان واپس لے لیں۔ وہ آپ کی بہت مانتی ہیں۔''

تھوڑی دیر بعد سعدی نے قدرے امید و لجاجت سے آگے ہو کر کہا۔ میڈم رمشہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں، پھر ہلکا سا گا۔ اقرار کرا بروا چکائے۔

''میرا نہیں خیال کہ کسی شخص کو اس کی اٹل رائے سے موڑنا آسان ہوتا ہے۔'' سعدی بد دل سا ہو کر پیچھے ہو گیا۔ میڈم کی طرف کیا ''ا رخ بھی سامنے کو موڑ لیا۔ اب وہ گھٹنوں پہ کہنیاں رکھے' سر ہاتھوں پہ گرائے ان سے لاتعلق ہو گیا تھا۔ میڈم رمشہ گہری نظروں سے اس نے ہاتھوں میں آدھے چھپے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھتی رہیں۔ پھر خود بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں، گود میں رکھا پرس بیچ کی خالی نشست پہ رکھا اور سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

''میرا بڑا بھائی ایرونوٹیکل انجینئر ہے۔ ہم تین سال سے ایک دوسرے سے نہیں ملے، بات بھی نہیں کی' نہ وہ ہمارے بچوں کی شادی پہ آیا نہ ہم اس کی پہ گئے۔ میری فرسٹ کزن میری بچپن کی دوست تھی۔ اونکالوجسٹ ہے، اسی شہر میں رہتی ہے۔ ہم نے سات سال سے ایک دوسرے کی شکل نہیں دیکھی، کوئی فوتگی ہوئی تو چلے گئے۔ زندوں کے لئے نہیں گئے۔ میری سب سے چھوٹی بہن اور میرے دوسرے نمبر کے بھائی کی آپس میں پچھلے ساڑھے پانچ سال سے ناراضگی ہے، دونوں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہیں ہیں۔ میری امی اس ساری صورتحال سے بہت غمزدہ رہتی ہیں۔''

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے ہوئے ہلکے ہلکے سے کہتی جا رہی تھیں۔ سعدی اسی طرح سر ہاتھوں میں لئے بے دھیانی سے سنتا گیا' اسے لگا شاید وہ خود سے بول رہی ہیں۔

''مگر مجھے امید ہے کہ میری ماں کے مرنے پہ سارے بہن بھائی آ جائیں گے، مل بھی لیں گے۔ کیونکہ ناراض رشتوں کو عموماً کسی کے مرنے کا انتظار ہوتا ہے۔ مگر کیا تم جانتے ہو؟ کہ یہ ساری لڑائیاں' یہ ساری ناراضگیاں شروع کیسے ہوئیں تھیں؟''

سعدی نے ہاتھ گرائے' چہرہ اٹھایا' ذرا موڑ کر آنکھوں میں اکتاہٹ بھری پریشانی لئے میڈم کو دیکھا، ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

وہ سامنے دیوار کو دیکھتے کہتی گئیں۔

''یہ سب تب شروع ہوا' جب ہر ایک فریق نے اپنی صحیح یا غلط بات کے لئے دلیلیں پیش کرنا شروع کیں۔ جب دوسرے کی بات' بحث کے لئے سنی گئی، معاملے کو حل کرنے کے لئے نہیں۔ توپ کوئی نہیں چلاتا، پتھر کوئی نہیں مارتا، باتیں... صرف باتیں ہی گھروں میں دراڑیں ڈالتی ہیں، ان کو توڑتی ہیں، رشتے کاٹتی ہیں، صرف باتیں۔''

سعدی پھر سے سامنے دیکھنے لگا۔

''میں سمجھ رہا ہوں' اگر آپ کا اشارہ میری پھوپھو سے کی گئی بدتمیزی یا بحث کی طرف ہے تو پلیز مجھے کلیئر کرنے دیں، یہ کسی کی زندگی اور موت کا معاملہ ہے، میں صرف.....''

''میری ایک دوست تھی' بہت اچھی، بہت قابل۔ عام سی شکل کی تھی۔ مگر اس کی شخصیت میں کوئی ایسی کشش تھی' ایسا رعب تھا کہ آس پاس سب مرعوب ہو جاتے۔''

وہ اس کی بات سنے بغیر سامنے دیکھتے ہوئے گویا خود کلامی کے انداز میں کہتی جا رہی تھیں۔ سعدی کو اب بے زاری ہونے لگی۔

''میں اس کے پاس ایک کیس کے سلسلے میں گئی تھی، وہ وکیل تھی۔ بہت اچھی' بہت قابل۔ اس نے میرا مسئلہ بھی حل کر دیا۔ اور تب سے کسی بھی قانونی مشاورت کے لئے میں اسی کے پاس جاتی ہوں۔ بہت بھاری فیس لیتی ہے، ایک پائی نہیں چھوڑتی۔ مگر اچھی لڑکی ہے۔ اپنے مسئلوں کے لئے کبھی میرے پاس نہیں آئی، سوائے ایک دفعہ کے' جب اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ چاہئے تھا۔''

بے دھیانی سے سنتے سعدی نے ایک دم چونک کر گردن موڑی' استعجاب سے آنکھیں سکیڑ کر میڈم کو دیکھا۔ وہ بدستور سامنے دیوار کو دیکھتی کہے جا رہی تھیں۔

''اس کے بھتیجے کو اسکالرشپ نہیں مل سکا' نہ وہ اتنا لائق تھا' نہ اتنا غریب کے وہ ہمارے میعار پہ پورا اترتا' مگر وہ سمجھی کہ اس کا نام ان دس اسٹوڈنٹس کی لسٹ میں اس لئے نہیں ہے کیونکہ یہ فہرست میں نے کمیشن لے کر تیار کی ہے۔ وہ میرے پاس آئی' ایک لمبی تقریر کی' کہ کس کس طرح وہ مجھے برباد کر سکتی ہے' بدنام کر سکتی ہے' اور ہر قیمت پر اس بات کو یقینی بنا سکتی ہے کہ اس کا بھتیجا وہ اسکالرشپ جیتے۔ میں ہر بات تحمل سے سنتی گئی۔ آخر میں' میں نے اسے بتایا' وہی جو سچ تھا کہ یہ اسکالرشپ اس کے بھتیجے کو کبھی نہیں ملے گا۔''

سعدی یوسف بالکل سن' متحیر سا سنتا جا رہا تھا' اسے اپنے سانس لینے کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔

''وہ سنتی گئی اور اس کے چہرے کا رنگ نچڑتا گیا' ایسے جیسے کسی سانپ نے کاٹ لیا ہو۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ اس کا بھتیجا کسی سے کم ہو سکتا ہے۔ بہت دیر لگی اس کو اپنی اٹل رائے سے ہٹنے میں۔ چاہے وہ غلط تھی مگر وہ کسی کی محبت میں ہی غلط تھی۔ کسی کی محبت میں غلطی کرنا پتا نہیں غلط ہوتا ہے یا نہیں۔ اور پھر زندگی میں پہلی دفعہ میری اس دوست نے مجھ سے ایک فیور مانگا۔ میں جھوٹ نہیں بولتی' بولنا بھی نہیں چاہیے' لیکن اس کے لئے میں نے بول دیا' اسی لڑکے سے۔ وہ میرے پاس آیا تو میں نے کہا اسے کسی دل کے امیر آدمی نے اسکالر شپ کے لئے اسپانسر کر دیا ہے۔ شاید یہ جھوٹ بھی نہیں تھا' مگر اس کی پھوپھو مجھے پابند کر چکی تھی کہ میں اسے نہیں بتاؤں گی کہ وہی اس کی فیس دے رہی ہے۔ بس ایک بات پہ مجھے حیرت ہوئی...''

وہ بولتی جا رہیں تھیں اور سعدی سانس روکے ان کو دیکھ رہا تھا۔ ساری دنیا ختم ہو گئی تھی۔ بس باتیں رہ گئی تھیں۔ جو وہ سن رہا تھا' اور جو وہ اس دن زمر سے کر آیا تھا۔

''یہی کہ وہ اتنی امیر نہیں ہے' پھر اتنی بھاری فیس کیسے ادا کرے گی؟۔ میرے اصرار پہ اس نے بتایا' کہ اس کے پاس ایک پلاٹ ہے' جو اس کے والد نے اس کے نام کر رکھا ہے' اس کی شادی' اسکے فیوچر کی ساری سیکیورٹی اس پلاٹ کے اوپر ہے۔ اس نے کہا' وہ اس پلاٹ کو بیچ دے گی۔ نیچرل سی بات ہے' میں نے اسے منع کیا' کہ اگر ایک لڑکا اپنی ذہانت یا محنت کے بل بوتے پر ایک بڑی یونیورسٹی نہیں جا سکتا' تو کیا ضروری ہے اس کے پیچھے اپنی آرام دہ زندگی کی سیکیورٹی کو داؤ پہ لگا دو؟۔ تب اس نے مجھے ایک بات کہی۔ ساری زندگی تو نہیں مگر چند سال تو میں ضرور یاد رکھوں گی۔ اس نے کہا'' میرے خاندان کی سیکیورٹی وہ پیسہ نہیں ہے۔ ہماری سیکیورٹی' ہمارے خاندان کا وہ پہلا بچہ ہے' جس کو میں نے انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا تھا۔ اب جب وہ بھاگنے کے قریب آیا ہے' تو مجھے اس کے لئے راستہ تو بنانے دیں۔'' اور پھر اس نے وہ پلاٹ بیچ دیا۔ اب وہ مسلسل میرے پاس رقم جمع کرواتی ہے۔ میں اس رقم کو ایک اسکالرشپ ڈونیشن فنڈ کے طور پر اس لڑکے کی فیس کے لئے اس کے حوالے کر دیتی ہوں۔ ذرا سا جھوٹ' اور کسی کی زندگی بن گئی' برا سودا نہیں تھا۔ مگر قربانی تھی۔ کیونکہ محبت ایک بہت سادہ اور ایک بہت پیچیدہ شے ہے۔''

سعدی کا رنگ ایسے سفید ہو رہا تھا' جیسے سانس تک نکل چکی ہو۔ وہ بنا پلک جھپکے بس ان کو دیکھ رہا تھا۔ شاکڈ' حیرت زدہ' متعجب۔

''کیا یہ سچ ہے؟ کیا پھوپھو نے....'' اس کے الفاظ حلق میں ہی ٹوٹ گئے۔ میڈم رمشہ نے چونک کر اسے دیکھا اور حیرت سے پوچھتے ہوئے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئیں۔

''کیا؟ میں نے تو پچھلے پانچ منٹ میں تم سے کوئی بات نہیں کی۔ میں تو کچھ سوچ رہی تھی۔ شاید میں اونچا سوچنے لگ گئی ہوں۔ بوڑھے ہونے والے لوگوں کو یہ مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن میرا نہیں خیال کہ کسی دماغی مرض کی وجہ سے کسی انسان کو کانفیڈینشیلٹی توڑنے پر مورد الزام ٹھہرانا چاہیے' اور یہ اونچا بولنا ایک دماغی مرض ہی تو ہے۔ اونہوں۔'' موبائل پرس میں ڈالتے ہوئے' سر نفی میں ہلاتے' جیسے اپنے سنکی

ہاں ہاں کرتے ہوئے' انہوں نے اس کو مسکرا کر خدا حافظ کہا، اور آگے بڑھ گئیں۔

وہ آہستہ سے اٹھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کاریڈور میں آگے بڑھتا گیا۔ سفید چہرہ' خالی ویران آنکھیں لئے وہ چلتا رہا' یہاں تک کہ ہسپتال کے دروازے آ گئے۔ باہر لان میں روش پہ بڑے ابا کی وہیل چیئر دھکیلتی حنین نے چونک کر اسے یوں ڈھیلا ڈھیلا سا چلتے دیکھا' اور پھر رک کر دیکھتی رہی یہاں تک کہ وہ مخالف سمت چلتا دور ہوتا گیا۔ کوئی موڑ آیا اور وہ نظروں سے اوجھل تھا۔

حنین کے چہرے پہ فکرمندی در آئی۔ وہ وہیل چیئر کو موڑ کر اسی سمت لے گئی' ساتھ میں بے دھیانی سے بڑے ابا کو سن بھی رہی تھی۔

''اورنگزیب کا کردار کو فارس کے اوپر سے ہاتھ یوں کھینچنا نہیں چاہیے۔ ان کو ایک دفعہ ہم سے بات کرنی چاہیے تھی۔''

''وہ زمر پھپھو کے علاج کا سارا خرچہ اٹھا رہے ہیں' یہی بہت ہے۔'' وہ متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتی' وہیل چیئر آگے لا رہی تھی۔

''یعنی وہ فارس کو قصوروار سمجھتے ہیں' تبھی مداوا کر رہے ہیں۔'' بڑے ابا افسوس سے سر ہلاتے کہہ رہے تھے۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ آگے بڑھتی رہی۔

یہاں درخت تھے' بیلوں کی باڑ تھی' اور کونے میں واٹر کولر لگا تھا۔ سبزے میں ٹھنڈا' میٹھا پانی۔ حنین کے قدم رکے نہیں' آہستہ ہو گئے۔ آنکھوں میں شدید صدمہ سا اترا۔

کولر کے دائیں طرف درخت تھا' درمیان میں تھوڑی سی جگہ تھی' وہاں سکڑ کر' رخ دیوار کی طرف کیے' سعدی دوزانو بیٹھا تھا۔ سر گھٹنوں پہ ٹکے' وہ آہستہ آہستہ رو رہا تھا۔ ساتھ ہی بار بار شرٹ کی آستین سے آنسو صاف کرتا' پھر سے چہرہ جھکائے رونے لگ جاتا۔

حنین کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا۔ وہ رکنا چاہتی تھی' مگر بڑے ابا کے اسے یوں روتے دیکھنے کا خوف تھا' یا سعدی کے خود کو یوں اکیلے جانے پہ شرمندگی کا ڈر' وہ بوجھل قدموں سے آگے بڑھتی گئی۔ بڑے ابا گردن گرائے' افسردہ سے اپنی کہتے گئے۔ حنین کی عینک کے پیچھے آنکھیں گلابی پڑتی گئیں۔ وہ رو رہا ہے۔ بھائی رو رہا ہے۔ مگر کیوں؟

''کیا پھپھو ٹھیک ہو جائیں گی' بڑے ابا؟'' اس نے خود کو کہتے سنا۔ ''بھائی ان کی بیماری پہ بہت اپ سیٹ ہے۔'' وہیل چیئر اچانک' اب کولر کو پیچھے چھوڑ کر وہ دور جا رہی تھی۔ ساتھ ہی آواز بھی مدھم پڑتی گئی۔ بڑے ابا نے جواب میں کیا کہا' درختوں تک آواز نہیں پہنچی۔ وہ دور ہوتے گئے۔

سعدی اکیلا بیٹھا بدستور رو رہا تھا۔

❖❖❖

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں ..... تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں

وہ شام سعدی کے دل کی ساری سوگواریت اپنے اندر سموئے اتری تھی۔ وہ سارہ کے گھر کے کچن میں رکھی کرسی پہ خاموش بیٹھا تھا۔ ندرت منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتیں' سامنے کھانا رکھ رہی تھی۔

''زمر کو خیال کرنا چاہیے تھا۔ جب زرتاشہ کے والد' اور وارث کی بیوی، فارس کو بے گناہ سمجھتے ہیں' تو وہ کیوں ایسا کر رہی ہے؟''

سعدی سر جھکائے' سنجیدگی سے خالی پلیٹ کو دیکھتا رہا۔ ندرت نے اس کی پلیٹ میں سالن ڈالا' روٹی نکال کر دی۔

''کھاؤ بیٹا۔'' اس نے بے دلی سے روٹی لی' لقمہ توڑا۔ پھر نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ وہ پرامید سی' پریشان سی اس کو دیکھ رہی تھیں۔

''تم پھپھو سے بات کرو نا' وہ اپنا بیان واپس لیں۔'' پھر ٹھٹکیں' غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ''تمہیں کیا ہوا؟ آنکھیں سرخ پڑ رہی ہیں۔''

''کچھ نہیں۔فلو ہے۔'' وہ گیلی آواز میں کہہ کر سر جھٹکتا' پلیٹ پہ جھک گیا۔

''میں جوشاندہ بنادوں گی' اس کے بعد پی لینا۔ٹھیک ہو جائے گا۔''

کاش دل کی بیماریوں کا بھی کوئی تریاق ہوتا' گھول کر پی لو اور سب خوش باش ہو جائے۔اس نے تلخی سے سوچا تھا۔

''کیا تم نے دوبارہ پھپھو سے بات کی؟''

''نہیں۔''

''کوشش تو کرو۔فارس میرا بھائی ہے' سعدی، مجھے اس کی فکر ہے۔''

''زمر میری پھپھو ہیں' اور مجھے ان کی فکر ہے۔''

''اس کا علاج ہو رہا ہے' وہ انشاءاللہ جلد صحت یاب....''

سعدی نے بددلی سے پلیٹ پرے کر دی۔''ان کے علاج پہ جو خرچہ ہو رہا ہے' وہ اورنگزیب کا روزگار اٹھا رہے ہیں' ہے نا؟'' ندرت کو تلخی سے دیکھ کر وہ ایک دم پوچھنے لگا۔وہ ٹھہر کر اسے دیکھنے لگیں۔

''ہاں' بڑے ابا چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکے۔کیسے کرتے؟ ان کا سب تو زمر کے جہیز اور زیور پہ خرچ ہو گیا۔''

''اور وہ پلاٹ؟ پھپھو کے پاس تھا نا ایک پلاٹ' وہ کہاں گیا؟ شادی کا خرچہ تو بڑے ابا نے مین مارکیٹ میں اپنے نام کی واحد دکان بیچ کر اٹھایا تھا' یہ بھی مجھے پتہ نہ چلتا اگر آپ نہ بتاتیں۔''

''ہاں' وہ زعیم بھائی (ندرت کے کزن) کو بیچی تھی' اس لئے مجھے پتہ چل گیا۔پلاٹ تو زمر نے پہلے ہی بیچ دیا تھا۔'' وہ اب اپنی پلیٹ میں سالن ڈال رہی تھیں۔''کسی مقدمے وغیرہ کے لیے اسے رقم کی ضرورت تھی' تو بیچ دیا۔بڑے ابا نے ایک دفعہ میرے پوچھنے پہ بتایا تھا۔''

سعدی نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں' پھر ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔ندرت نے روکا کہ کھانا تو کھا لے مگر وہ لاؤنج میں آ گیا۔

وہاں بڑے صوفے کے کنارے سارہ بیٹھی تھی۔پیر اوپر کیے' بھورے رنگ کا دوپٹہ سر پہ لپیٹے' وہ ہتھیلی پہ چہرہ جمائے' دیوار کو دیکھ رہی تھی یا شاید اس کے پار۔اسے آتے دیکھ کر چہرہ سیدھا کیا' اداس سا مسکرائی۔

''کیسی ہیں آپ؟'' وہ مسکرا بھی نہ سکا' بس سامنے کھڑا ہو گیا۔سر جھکائے' بے قصور مجرم۔

''بہتر ہوں۔تم ٹھیک ہو؟'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔چند لمحے خاموشی سے سرک گئے۔

''فارس کیسا ہے؟ اس کے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

''ان کو ماموں کے قتل کے الزام میں پکڑا گیا ہے' مگر ہم سب جانتے ہیں' یہ سب غلط ہے۔آپ بھی ایسا ہی سمجھتی ہیں نا؟'' ذرا دیر کو وہ ڈرا ہوا لگا۔

''مجھے نہیں پتا سعدی۔تم سب کہتے ہو تو ایسا ہی ہو گا۔فارس اور قتل....'' اس نے سر جھٹک کر جھرجھری لی۔سعدی کی انکی سانس بحال ہوئی۔پھیکا سا مسکرایا۔

''ہم اصلی قاتلوں کو ضرور سزا دلوائیں گے خالہ!'' اور سارہ کے چہرے کی اذیت بڑھ گئی۔

''اس سے کیا ہو گا؟ وارث واپس نہیں آئے گا۔''

آج پھر سعدی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا۔وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔لان میں کیاری کے ساتھ امل بیٹھی گھاس پہ انگلیاں چلاتی کچھ لکھ رہی تھی۔نادیدہ الفاظ' ان کہی باتیں۔

سعدی قدم قدم چلتا اس تک آیا۔ جو گرز امل کے ہاتھوں کے قریب ہوئے' تو اس نے سر اٹھایا' آنکھیں مسکراہٹ سے ملیں۔ ''سعدی بھائی!''

''کیا تم بابا کے لئے دعا کرتی ہو؟'' ہر دفعہ کی طرح آج پھر پوچھا۔ امل نے جھٹ اثبات میں سر ہلایا۔ ''روز کرتی ہوں۔''

''گڈ۔'' وہ مسکرا کر پلٹ گیا۔ گیراج کی طرف جاتے ہوئے اس کے دل سے بھی دعا نکلی' مغفرت کی' جنت ملنے اور جہنم سے آزادی کی'۔ ایک دم وہ رک گیا۔ امل کو کیا پتا جنت اور جہنم کا؟ معافی اور بخشش کا؟

وہ الٹے قدموں واپس آیا۔ اس کے مقابل پنجوں کے بل بیٹھا' آنکھیں سکیڑ کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''تم کیا دعا کرتی ہو امل' بابا کے لئے؟''

وہ جو گھاس پہ پھر سے لکھ رہی تھی' نظریں اٹھا کر سادگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہی کہ بابا واپس آجائیں۔'' رک کر پوچھا۔ ''وہ واپس آجائیں گے نا سعدی بھائی؟''

سعدی شل سا اسے دیکھے گیا۔ ہیئر بینڈ میں جکڑے بالوں والی امل' امید سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے خود کو کہتے سنا۔

''وہ کبھی بھی واپس نہیں آئیں گے۔ تم دعا کیا کرو کہ وہ جہاں رہیں' خوش رہیں۔'' امل چند لمحوں کے لئے بالکل خاموش ہوگئی۔ پھر پہرہ رازداری سے قریب کیا۔

''اگر میں بابا کی قبر کھودوں... تو کیا وہ نیچے... ہوں گے؟'' ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''ہاں' مگر ان کی جو روح تھی' وہ اوپر چلی گئی ہے' آسمانوں میں۔ مگر وہ قبر میں بھی ہیں۔'' وہ سوچ سوچ کر الفاظ چن رہا تھا۔ امل کے ابرو اچنبھے سے اکھٹے ہوئے۔

''بابا دو ہو گئے ہیں؟'' اس نے دو انگلیوں کی وی بنا کر حیرت سے پوچھا۔ سادہ سوال کے پیچیدہ جواب۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دعا کی پھر سے تاکید کی اور گیراج کی جانب بڑھ گیا۔

ایک قتل کتنے خاندان تباہ کر دیتا ہے' کتنی زندگیاں اُجاڑ دیتا ہے۔

ایک قتل سب بدل دیتا ہے۔

.....❖❖❖.....

ہم بھی کن جنگلوں میں بستے ہیں ..... بند جن میں تمام رستے ہیں

ہاسپٹل میں وہی باسی پھولوں کی مہک رچی بسی تھی۔ زمرتکیوں کے سہارے قدرے ٹیک لگا کر لیٹی تھی' بال کیچر میں اوپر بندھے' اور چہرے پہ سنجیدگی چھائی تھی۔ خاموش نظروں سے کبھی سامنے وہیل چیئر پہ موجود ابا کو دیکھتی' اور کبھی ساتھ کرسی پہ آگے کو ہو کر بیٹھے ہاشم کو جو ایک فائل کھولے' کہہ رہا تھا۔

''یہ صرف ایک رسمی کاروائی ہے' آپ کے کڈنی ٹرانسپلانٹ اور اس کے بعد کے بھی تمام میڈیکل بلز اور نگزیب کاردار اٹھائیں گے' اور اگر کل کو فارس غازی بے گناہ ثابت ہو جاتا ہے' تب بھی کوئی اس عمل کو ریورس نہیں کر سکتا۔'' چیک' اور دوسرے کاغذات اوپر نیچے کر کے' موٹی موٹی بات سمجھاتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔ بال جیل سے پیچھے کیے' گرے کوٹ' کف لنکس' ٹائی پن' آنکھوں کی سنجیدگی، وہ ہمیشہ کی طرح اچھے سے تیار تھا۔

''آف کورس ان کو میرے میڈیکل بلز پے کرنے چاہیے۔ ان کے بھانجے نے میری زندگی برباد کی ہے!'' زمر کا انداز خشک تھا۔ ہاشم نے گہری سانس لے کر سر ہلایا۔

''اور جواب میں آپ اورنگزیب کا ردار کے بارے میں کسی قسم کا منفی بیان نہیں دیں گی۔''

''عدالت میں؟''

''پریس میں!''

بڑے ابا ناپسندیدگی سے گردن موڑ کر ہاشم کو بات کرتے دیکھتے رہے۔

''شیور مگر۔۔۔'' زمر نے آنکھوں کی پتلیاں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ہاشم کو دیکھا۔

''کیا اس کاغذ پہ یہ لکھا ہے کہ یہ مداوا' کاردار صاحب اس لئے کر رہے ہیں کیونکہ ان کے بھانجے نے مجھے نقصان پہنچایا ہے؟''

''بالکل!'' اس نے اٹھ کر فائل اور پین زمر کے سامنے رکھا۔ وہ زرد کاغذ اٹھا کر باریک بینی سے ایک ایک شق پڑھنے لگی۔ پھر قلم کھولا۔ دستخط کیے۔ اور واپس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اسی سپاٹ' روکھے انداز میں بولی۔

''مجھے کاردار صاحب سے کوئی گلہ نہیں' لیکن اگر آپ نے کبھی یہ معاہدہ توڑا' اور میرا کوئی میڈیکل بل پے نہ ہوا تو میں بھی ان تمام شقوں کو ردی میں ڈال دوں گی۔''

شیور میڈم پراسیکیوٹر!'' وہ بہت تحمل سے کاغذ واپس فائل میں لگاتے ہوئے بیٹھا' ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائی۔ بڑے ابا نے ناپسندیدگی سے اسے دیکھا۔

''یہ مداوے سے زیادہ خود کو فارس پہ لگے الزامات کی گرد سے بچانے کا معاہدہ لگ رہا ہے مجھے۔''

''بالکل' ایسا ہی ہے۔'' کافی رکھائی سے کہتے ہوئے اس نے بریف کیس اٹھایا' کھولا' کاغذ اس میں ڈالے۔ بڑے ابا نے کڑواہٹ سے رخ پھیر لیا۔ ہاشم ان کو ویسے بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

''میں چلتا ہوں۔'' بریف کیس بند کر کے وہ اٹھا' ایک رسمی مسکراہٹ سے زمر کو دیکھ کر سر کو خم دیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جاتے ہی بڑے ابا نے سنجیدگی سے زمر کو دیکھا۔

''ہمیں ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں تھی۔''

''مجھے تھی۔ باقی آپ کا بینک بیلنس کتنا رہ گیا ہے' میں جانتی ہوں۔'' وہ زیادہ کڑوی ہو رہی تھی۔

''اگر میں معذور نہ ہوا ہوتا' تو میں یہ مداوا قبول نہ کرتا۔''

''یہ ان کا فرض تھا' ان کے بھانجے نے جو میرے ساتھ کیا ہے' اس کے بعد اس کے خاندان کو اس سے بھی زیادہ کرنا چاہیے۔''

''زمر!'' وہ جیسے تھک کر بولے۔ ''تم ایک دفعہ فارس کی بات سن لو۔''

''اس کی جو آخری بات سنی تھی' وہی کافی ہے میرے لئے' تاعمر! موضوع ختم' ابا۔''

دونوں ہاتھ اٹھا کر گویا حتمی فیصلہ سنا دیا۔ وہ گردن جھکا کر خاموش ہو رہے۔ پھر جب حنین آئی تو ان کی وہیل چیئر باہر لے آئی۔ نکلتے وقت اس نے گردن موڑ کر زمر کو دیکھا' وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز' چہرہ موڑ کر کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں سوچ تھی' پیشانی پہ بل تھے۔ ایک دفعہ بھی حنین کو نہیں دیکھا۔ وہ یاسیت سے سر جھٹکتی بڑے ابا کو باہر لے آئی۔

.....❖❖❖.....

رخت جاں کوئی لٹانے ادھر آ بھی نہ سکے ..... اسے مشکل تو نہیں دشتِ وفا کے جاوے

ڈیٹنگ روم میں سعدی کرسی پہ بیٹھا تھا۔ سر جھکائے' اپنے ہاتھوں کو باہم مسلتا۔ بڑے ابا کو آتے دیکھ کر وہ سیدھا ہوا' اور سنجیدگی سے ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

''میں نے ٹیسٹ کروائے تھے۔ابھی رپورٹس آجائیں گی۔''

''کس چیز کا ٹیسٹ؟'' حنین چونکی' بڑے ابا نے بھی حیرت سے اسے دیکھا۔

''کڈنی ڈونر نہیں ملا۔ڈاکٹر نے کہا ہے' قریبی رشتہ داروں کا گردہ زیادہ بہتر رہے گا۔''

''بھائی!'' حنین کا سانس اٹک گیا۔

''سعدی!'' بڑے ابا متحیر رہ گئے' پھر وحشت سے آگے ہوئے۔

''تم نہیں۔بالکل بھی نہیں۔ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے۔''

''ڈاکٹر نے کہا ہے' میں ڈونیٹ کرسکتا ہوں۔میرا دل بھی یہی کہتا ہے۔''

وہ آنکھیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے دادا کو دیکھ کر' چبا چبا کر کہہ رہا تھا۔انہوں نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''کیا تم کسی بات پہ خفا ہو؟''

''اس کو چھوڑیں۔مجھے صرف ایک گارنٹی دیں۔اگر میرا گردہ میچ کر گیا تو آپ زمر کو نہیں بتائیں گے کہ یہ میں دے رہا ہوں۔''

''بالکل نہیں۔زمر کبھی تم سے گردہ نہیں لے گی۔تم ایسا نہیں کرو گے۔'' وہ تڑپ گئے تھے۔حنین وہیل چیئر تھامے ہنوز شاکڈ سی کھڑی تھی۔

''حنین' کیا تم باہر جا کر سسٹر حمیرا سے پوچھ سکتی ہو کہ رپورٹس آئی یا نہیں؟'' وہ سر اٹھا کر سپاٹ انداز میں کہنے لگا۔حنین نے شل ذہن کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا' اور باہر نکل گئی۔سعدی نے دوبارہ انہی نظروں سے بڑے ابا کو دیکھا۔

''اس وقت ان کو کڈنی چاہیے' میں دے رہا ہوں' مگر آپ ان کو نہیں بتائیں گے۔'' اور ابا کو غصہ چڑھنے لگا۔

''میں تمہیں اوّل تو ایسا کرنے ہی نہیں دوں گا' اور اگر تم نے ضد کی' تو میں زمر کو یہ بات بتا دوں گا' پھر وہ ساری زندگی ڈائیلیسز کرواتی رہے گی' مگر تم سے گردہ نہیں لے گی۔کوئی اپنے بچوں سے قربانی مانگتا ہے کیا؟''

سعدی نے لب بھینچے' اثبات میں گردن ہلائی' پیچھے ہو کر بیٹھا۔

''مجھے معلوم ہے کہ میری فیس وہی دیتی ہیں۔''

بڑے ابا کو جھٹکا لگا' بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

''کیوں؟ کیا وہ نہیں دیتیں؟ کر دیں انکار۔''

وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئے۔صدمہ سا صدمہ تھا۔اس کی آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔

''دیتی ہیں نا؟'' ایک آس پھر سے جوڑی' قدرے گیلی آواز میں' ڈرتے ڈرتے پوچھا۔بڑے ابا نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔سعدی نے ناک سے گیلی سانس اندر کھینچی' سر سمجھنے والے انداز میں ہلایا' نمی اندر اتاری۔

''تھینک یو بڑے ابا' اب اگر آپ نے زمر کو کچھ بتایا تو میں بھی انہیں بتا دوں گا' کہ یہ فیس والی بات آپ نے مجھے بتائی ہے۔''

وہ حق دق رہ گئے۔''میں نے کب...؟''

''ابھی بتایا ہے نا۔'' خود کو سنبھال کر' اطمینان بھری بے نیازی سے کہہ کر وہ پیچھے کو ہو گیا۔وہ بالکل ہکا بکا اسے دیکھ رہے تھے۔آج لگا' مدی بڑا ہو گیا ہے۔یعنی دوسری بلیک میلر اولاد؟ ایک زمر کم تھی کیا؟

حنین واپس اندر آئی' نفی میں سر ہلایا۔کچھ کہنے سے فی الحال معذور تھی۔

''مجھے پتہ ہے میرا کڈنی میچ کر جائے گا۔مگر آپ دونوں میں سے کوئی زمر کو نہیں بتائے گا۔'' وہ قطعیت سے باری باری ان کا چہرہ دیکھتا تنبیہہ کر رہا تھا۔

''اور امی؟'' بالآخر وہ بولی۔

''ان کو میں سمجھا دوں گا' بے فکر رہو۔''

''مگر زمر کو کیا کہیں گے' کس کا گردہ ہے یہ؟'' بڑے ابا کا لہجہ اب کمزور تھا۔

''وہ کون سا دیکھ رہی ہیں؟ کسی سے ملوا دیں گے انہیں، کہیں گے کہ یہ اس کا گردہ ہے۔''

''یہ بات ہمیشہ نہیں چھپے گی سعدی۔ اسے بتانا پڑے گا۔ تم خود بتا دو۔ وہ تو اب تک تم سے خفا ہے۔''

''اگر مان گئیں تو پوچھیں گی نہیں کہ میں کدھر ہوں؟ ملنے کیوں نہیں آتا؟ بس انہیں کہیے گا' میں واپس چلا گیا ہوں۔'' وہ سب طے کر چکا تھا۔ دو دن سے یہی سوچ رہا تھا۔ بڑے ابا کو افسوس سا لگنے لگا۔

''ایسے وہ دل صاف نہیں کرے گی' میں اسے جانتا ہوں۔''

''میں بھی جانتا ہوں انہیں' وہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔'' مگر وہ غلط تھا۔

''اسے بتا دو سعدی۔ آپریشن کے بعد بتا دینا بے شک۔'' وہ اب نیم رضامند لگ رہے تھے۔

''یہ میرا ٹیسٹ ہے، میں تیمارداری کر کے نمبر بنالوں یا پڑھائی کے بہانے نظروں سے غائب ہو کر اپنا فرض ادا کرلوں اور اگر برا بنتا ہوں تو بن جاؤں، مگر مجھے اس ٹیسٹ میں فیل نہیں ہونا!''

''تم اس سے بات تو کر کے دیکھو!''

''نہیں نا! اگر پھپھو کو پتہ چلا کہ یہ میرا گردہ ہے تو وہ کبھی نہیں لیں گی۔ پھپھو مجھ سے بہت محبت کرتی ہیں۔ میں ان کا بھائی بھی ہوں، دوست بھی اور بیٹا بھی۔ وہ مجھے کبھی اس تکلیف سے نہیں گزارنا چاہیں گی۔''

''تو ہم پھپھو کو کیا کہیں گے؟'' سوئی سوئی سی حنین جیسے جاگی۔ دماغ کام کرنے لگا۔

''کسی سے ملوا دیں گے' کسی کو راضی کرلیں گے اس کام پہ۔'' یہ سعدی کو مسئلہ نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بار بار بے چینی سے گھڑی دیکھتا۔ اسے رپورٹس کا انتظار تھا۔

''مگر کس سے؟''

سعدی نے اکتا کر حنین کو دیکھا۔ ''یہ بعد کی بات ہے۔'' تبھی دروازہ ہلکا سا بجا۔

حنین چونک کر مڑی، چوکھٹ میں علیشا کھڑی تھی۔ مسکراتی ہوئی' سفید ٹراؤزر اور بھوری شرٹ میں۔ کہنی پہ بیگ ٹنگا تھا۔

''میں تمہاری آنٹی کو دیکھنے آئی تھی۔'' وہ نرمی سے کہتی آگے آئی۔

حنین نے سعدی کو دیکھا' سعدی نے حنین کو۔ پھر دونوں نے علیشا کو دیکھا۔

''بھائی' کیا آپ بھی وہی سوچ رہے ہیں جو میں سوچ رہی ہوں؟''

''کیا یہ مان جائے گی' تھوڑی سی اداکاری پہ؟'' دونوں نے دبی دبی آواز میں فقروں کا تبادلہ کیا۔ علیشا نے باری باری ان کے چہرے دیکھے۔

''کیا سب ٹھیک ہے؟''

''آف کورس۔'' حنین کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا' جلدی سے ایک کرسی سے چیزیں ہٹائیں' اسے جگہ بنا کر دی، سعدی اٹھ کر چوکھٹ پہ جا کھڑا ہوا۔ نگاہیں راہداری میں لگے کلاک پہ ٹکی تھیں، بڑے ابا اپنی سوچوں میں الجھے تھے۔

علیشا نزاکت سے بیٹھی' گھٹنے ملا کر، پرس زمین پہ رکھا۔ حنین ساتھ والی کرسی پہ آگے ہو کر بے چین سی بیٹھی۔

''مجھے تم سے ایک کام ہے علیشا، کچھ دیر میں بتاتی ہوں۔'' وہ بھی سعدی کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہی تھی۔

''او کے!'' علیشا نے شانے اچکا دیے۔

''اگر کڈنی میچ نہ کیا تو؟'' بڑے ابا نے اپنی ہی سوچ میں سوال کیا۔

''تو پھر کسی اور کو دینا پڑے گا۔''

''مگر کس کو؟'' وہ حنین سے سوال کر کے خود ہی خاموش ہو گئے۔ حنین نے نظریں جھکا کر خود کو دیکھا، پھر اپنے بازو کو۔ آستین ذرا تنگ تھا۔ اس نے دو انگلیاں بٹن پہ رکھ لیں' جیسے اسے کھول کر آستین اوپر چڑھانے پر تیار ہو۔ انگوٹھے سے بازو کے اوپر لکیر کھینچی۔ کون سی رگ ہے بھلا جس سے ٹیسٹ کے لئے خون نکالا جاتا ہے۔

''تم نے بتایا نہیں میرا گفٹ کیسا لگا؟'' علیشا موبائل پہ بٹن دباتی پوچھ رہی تھی۔ حنین نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا' پھر پھیکا سا مسکرائی۔

''وہ لاکٹ، اس پہ بھی تمہارے کی چین والی عبارت درج تھی۔'' وارث کے قتل کی رات جب وہ اور فارس' علیشا کے کمرے سے نکلے تھے، تب اس نے حنین کو جوڑ بہ تھمایا تھا' اس میں سے سیاہ ہیرے کی شکل کا کٹا پتھر جڑا لاکٹ نکلا تھا۔ اس نے بہت دن بعد کھولا۔

''مجھے وہ بہت اچھا لگا۔ مگر اس کا کیا مطلب ہوا؟ ہمیشہ کے لئے چیونٹیاں؟ (Ants EverAfter)'' وہ انگلی ابھی تک بازو کی رگ پہ رکھے بیٹھی تھی۔

علیشا نے آہستہ سے موبائل رکھا' اسے دیکھ کر تکان سے مسکرائی۔ ''تم نے مجھ سے کوئی کام کہنا تھا؟''

''ہاں... وہ کیا... تم میری آنٹی کو یہ کہہ سکتی ہو' کہ تم ان کو اپنی مرضی اور خوشی سے کڈنی ڈونیٹ کر رہی ہو؟ دراصل جو رشتے دار ڈونیٹ کر رہا ہے' وہ اس سے لینا نہیں چاہیں گی اور....'' وہ جلدی جلدی ساری بات سمجھاتی گئی۔

''مگر میں تو رات کی فلائٹ سے واپس جا رہی ہوں۔''

''اوہ... کیا تم رک نہیں سکتی؟ کیا تمہارا کام ہو گیا' جس کے لئے تم آئی تھی؟''

''نہیں... وہ تو نہیں ہوا۔ میں بھی کس امید پہ چلی آئی۔'' تلخی سے مسکرا کر خود پہ افسوس کیا۔ حنین بے چینی سے آگے ہوئی۔

''تم بس پانچ منٹ کے لئے آنٹی سے مل لو۔ بعد میں ہم کہہ دیں گے کہ تمہیں دوسرے ہسپتال شفٹ کر دیا گیا ہے۔''

''او کے!'' وہ متامل تھی مگر شانے اچکا دیے۔ حنین پھر سے مضطرب سی دروازے کی سمت دیکھنے لگی۔

''ٹرانسپلانٹ پہ تو کافی خرچہ آ رہا ہو گا۔'' علیشا نے برائے بات پوچھا۔

''پتہ نہیں وہ سب اورنگزیب انکل کا سر درد ہے۔''

علیشا کا سانس رک گیا۔ بنا پلک جھپکے وہ حنین کو دیکھنے لگی۔

''تمہارے وہی انکل' جن کا تم بہت ذکر کرتی ہو۔''

''ہاں۔ پتہ نہیں، ہماری اکثر باتوں میں ان کا ذکر کیوں نکل آتا ہے؟'' یہ سوال سوچنے کا وقت' ذہین حنین کے دماغ کو کبھی نہیں ملا تھا۔ اب بھی کہہ کر بھول گئی۔ ''وہی علاج کا خرچہ اٹھا رہے ہیں۔''

''مگر... کیوں؟'' حیرت زدہ سی وہ بمشکل پوچھ پائی۔ حنین نے شانے اچکائے۔ ابھی تک چوکھٹ کو دیکھ رہی تھی۔

''وہ فارس ماموں کے باپ کی جگہ ہیں' اور پھپھو مسلسل فارس ماموں کو اس سب کا ذمہ دار ٹھہرا رہی ہیں' تو اورنگزیب انکل اپنے بھانجے کی طرف سے مداوا کرنا چاہ رہے ہیں۔''

علیشا سے اگلا سانس نہیں لیا گیا۔اس نے چہرہ سامنے کو پھیر لیا۔تھوک نگلی،آنکھوں میں آتی نمی اندر اتاری۔

''ان سے کسی نے رقم نہیں مانگی'وہ پھر بھی دے رہے ہیں'صرف اس لئے کہ وہ فارس کے باپ کی جگہ ہیں'حنین؟ کتنی رحمدلی ہے'ہے نا!''

حنین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔علیشا زخمی سا مسکرائی'سر جھکا کر انگلیوں میں پکڑے کی چین کو دیکھا۔

''کیا تم جانتی ہو حشرات الارض میں سب سے زیادہ زہریلا کیڑا کون سا ہوتا ہے؟''

حنین نے نفی میں سر ہلایا۔چوکھٹ میں کھڑا سعدی گردن موڑ کر دیکھنے لگا۔وہ حنین کے ساتھ بیٹھی'سر جھکائے' کی چین پہ انگلی پھیرتی کہے جا رہی تھی۔

''چیونٹی۔Maricopa Harvester Ant۔دنیا کا سب سے زہریلا کیڑا ہے۔اس کیڑے کو انتقام پہ نہیں اکسانا چاہیے ورنہ اس کے کاٹے سے طاقتور سے طاقتور انسان بھی مر جائے۔پتہ ہے ایک دفعہ کسی نے مجھ سے یہ بات کہی تھی۔کہ تم ساری عمر چیونٹی رہو گی۔مجھے وہ بات پہلے بہت بری لگی'پھر اچھی لگنے لگی،کیونکہ میں چیونٹی ہی تو ہوں۔سب کمزور اور بے بس لوگ چونٹیوں کی طرح ہوتے ہیں۔''حنین بے دھیانی سے سن رہی تھی'وہ خاموش ہوئی تو وہ جلدی سے بولی۔

''کیا تم میری آنٹی سے مل لوگی؟ اتنا وقت ہوگا نا تمہارے پاس؟''

علیشا نے سر اٹھایا'مسکرا کر نم آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''شیور۔میں نے ارادہ بدل دیا ہے۔میں کچھ دن مزید ٹھہر سکتی ہوں'اپنا کام بھی مکمل کر لوں گی۔''

حنین کا چہرہ فرطِ مسرت سے دمکنے لگا۔اس نے خوشی سے علیشا کا ہاتھ دبایا۔

''تھینک یو علیشا۔تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔کتنا عجیب اتفاق ہے نا کہ عین ان دنوں میں تم آئی ہو جب ہم اتنے کرائسز میں تھے'مگر تم ہمارے ساتھ رہی۔''

علیشا کا رنگ سفید پڑا۔حلق میں کچھ اٹکا۔وہ تو اورنگزیب کا ردار کے الیکشن کا سن کر آئی تھی،(اور وہ خود بھی بے خبر تھی کہ اگر یہ الیکشن نہ ہوتے تو وارث کو شاید مہلت دے دی جاتی) مگر یہاں کے الیکشن امریکہ سے بہت مختلف تھے۔اور حنین اس سب کو ایک اتفاق سمجھ رہی تھی؟

''حنین'میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں۔''مگر سعدی کسی کو آتے دیکھ کر فوراً آگے چلا گیا،تو حنین امید اور خوف کے ملے جلے تاثر سے کھڑی ہو گئی'بازو کی رگ پہ پھر سے دوسرا ہاتھ رکھ لیا۔۔

''پھر کبھی سہی!''علیشا اس کا دھیان نہ پا کر ڈھیلی سی واپس بیٹھ گئی۔حنین چوکھٹ تک آئی۔فکرمندی سے سامنے دیکھا۔سعدی چند کاغذ کھول کر پڑھتا ہوا نظر آ رہا تھا۔بازو پہ رکھا اس کا ہاتھ مضبوط ہوتا گیا۔پنچ بٹن کھول لیا۔اب بس آستین موڑنا تھا۔پہلے بلڈ ٹیسٹ ہوتا ہے کیا؟ اسے علم بھی نہیں تھا!

سعدی نے گہری سانس لے کر صفحات نیچے کیے'اور لمبی مسافت کی تھکن سے حنہ کا چہرہ دیکھا۔پھر سر اثبات میں ہلایا۔

''پازیٹو!''

حنین کا بازو پہ رکھا ہاتھ بے دم سا پہلو میں آ گرا۔اس نے زرد رنگت کے ساتھ سر کو خم دیا۔سعدی اب پلٹ کر تیزی سے آگے جا رہا تھا اسے بہت سے کام کرنے تھے۔

السابقون السابقون۔اولئک المقربون۔

ہر قربانی کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس وقت کی ایک ایکسپائری ڈیٹ بھی ہوتی ہے۔

❖❖❖

کیوں داد غم ہمی نے طلب کی' برا کیا ..... ہم سے جہاں میں کشتہ غم اور کیا کیا نہ تھے

اور ہسپتال کے کمرے میں، کرسی پہ بیٹھی علیشا کو مشکوک انداز میں گھورتی، تکیوں سے ٹیک لگائے، وہ زمر یوسف تھی اور وہ اتنی جلدی مان جاتی' ناممکن تھا۔

''اور آپ مجھے اپنا گردہ کیوں دینا چاہتی ہیں؟'' اس کو ہضم نہیں ہوا تھا اس لیے تفتیش شروع کر دی تھی۔

جواب میں علیشا نے کافی بے نیازی سے شانے اچکائے۔

''میں اس واقعے کا ذمہ دار خود کو سمجھتی ہوں۔ اگر میں آپ کے آفس آجاتی' تو نہ آپ ادھر جاتیں' نہ دہشت گردی کا نشانہ بنتیں۔ میں نے ٹیسٹ کروائے ہیں، گو کہ مجھے کم عمری سے دمے کی شکایت ہے مگر اس کے علاوہ میں بالکل صحت مند ہوں، اور ڈونیٹ کر سکتی ہوں۔''

''اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اس وجہ پہ یقین کر لوں؟'' زمر نے تیکھی نظروں سے مسلسل اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہ کریں' آپ کی مرضی، مگر میں دوسری وجہ بھی ضرور بتانا چاہوں گی۔'' علیشا ذرا رکی' سامنے بے چین سی کھڑی حنین اور قریب بیٹھے مضطرب سے بڑے ابا کو دیکھا' پھر اسی اعتماد سے پراسیکیوٹر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

''مجھے اس قربانی کے عوض آپ کی فیملی ایک اچھی قیمت دے رہی ہے۔ جسے میں واپس جا کر یونیورسٹی فیس کے لیے استعمال کروں گی۔ اپنی زندگی بنانے کا اتنا اچھا موقع میں ضائع نہیں کروں گی۔ اگر مزید پیسے چاہیے ہوئے تو میں اس قربانی کو کسی ٹی وی شو میں اپنی کہانی چلوا کر کیش کروالوں گی۔'' آخر میں اس نے بے فکری سے شانے اچکائے۔

حنین کے لب کھل گئے' وہ ہکا بکا سی علیشا کو سن رہی تھی۔ (کیا اس نے فرض کر لیا تھا کہ اداکاری صرف زمر پہ ختم ہو جاتی ہے؟)

''مگر یہ الیگل ہے۔'' زمر کے فقرے پہ وہ سب چونکے۔

''قانون کے مطابق' ڈاکٹر کبھی بھی ٹرانسپلانٹ نہیں کر سکتا' اگر گردہ خون کے رشتے دار کا نہ ہو تو۔ آپ سب لوگ مل کر ایک غیر قانونی کام کیسے کر سکتے ہیں؟'' ابرو بھینچ کر تادیبی انداز میں اس نے باری باری ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

اور بڑے ابا نے کئی دفعہ کی سوچی گئی خواہش دل میں دہرائی۔ کاش انہوں نے کبھی اس لڑکی کو قانون نہ پڑھایا ہوتا۔

''یہ عورت تو غیر ملکی ہے مگر آپ کو تو قانون کا علم ہونا چاہیے ابا۔''

''ہم نے اس کا حل بھی نکال لیا ہے۔'' حنین ہمت کر کے بولی تو زمر گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگی۔ ''ہم پیپرز پہ سعدی بھائی کا نام لکھوائیں گے۔''

زمر کے تاثرات بدلے۔ وہ دہل کر رہ گئی تھی۔

''سعدی کا کیوں؟'' وہ ایک دم تڑپ کر متوحش سی بولی' پھر غصے سے ابا کو دیکھا۔ ''سعدی کا نام کڈنی ڈونر کے طور پہ... کبھی بھی نہیں لکھیں گے آپ لوگ۔''

''ٹھیک ہے نہیں لکھتے۔ لیکن اگر یہ فرنچ امریکن عورت نہیں دے گی'' بڑے ابا نے علیشا کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے کہنا شروع کیا۔ ''تو کسی خون کے رشتے دار کو دینا پڑے گا۔ فہرست بناتے ہیں' پہلے نمبر پہ میں ہوں' میرا میچ نہ کیا تو پھر سعدی ہوگا' اور پھر حنین' اگر اس کا بھی نہ لگ سکا تو اسامہ تو ہے نا۔''

''ابا!'' اس کے دل پہ کسی نے پیر رکھ دیا تھا۔ صدمے سے آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔

''بالکل بھی نہ کہنا زمر کہ تم تندرست نہیں ہونا چاہتی۔ ہر کوئی تندرست ہونا چاہتا ہے۔ تم الگ نہیں ہو۔ اس کے علاوہ کوئی آپشن نہیں ہے تمہارے پاس۔'' زمر بالکل چپ ہو گئی۔ بے بسی سے سر جھکائے لب کاٹنے لگی۔ دل بہت برے انداز میں دکھایا تھا حنین کی بات نے۔

''مگر.....یہ غیر قانونی ہے۔''اس کی آواز اب کے کمزور تھی۔

''ہاں اور جو تمہارے ساتھ ہوا' وہ بھی غیر قانونی تھا۔''

زمر کی آنکھوں میں کرب کے ساتھ طیش ابھرا۔

''ہوا نہیں' جو میرے ساتھ فارس نے کیا' وہ غیر قانونی تھا!''

''پھپھو' میں ادھر ہی تھی' ماموں نے آپ کو کوئی کال نہیں کی۔ میں جھوٹ نہیں بول رہی۔''اس کے بیڈ کے دائیں طرف کھڑی حنین بے بسی سے بولی۔ زمر نے گہری سانس لے کر' خود کو نارمل کرتے ہوئے' سر جھٹکا اور پیچھے ہوئی۔ اب کے بولی تو آواز سنبھلی ہوئی تھی۔

''مجھے معلوم ہے تم جھوٹ نہیں بول رہی۔ فارس بہت اسمارٹ ہے' اسے تمہیں ڈاج کرنے کے ہزار طریقے آتے ہیں۔''

حنین کو دھچکا لگا۔ بہت بے یقینی سے پھیلی آنکھوں سے اس نے زمر کو دیکھا' جواب اپنا لحاف درست کر رہی تھی۔

''یعنی آپ مجھے جھوٹا نہیں سمجھتیں؟ بلکہ آپ مجھے بے وقوف سمجھتی ہیں!'' یہ صدمہ زیادہ بڑا تھا۔ زمران سنا کرتی لحاف ٹھیک کر کے پیچھے کو ہو گئی۔ حنین کے لب بھنچ گئے۔ بڑے ابا کی معذرتی نظروں کو دیکھے بنا' وہ سرد لہجے میں بولی۔

''او کے پھپھو' ہم سعدی بھائی کا نام لکھوا کر آپ کو ہرٹ نہیں کریں گے۔ ہم حنین یوسف کا نام لکھوا دیں گے۔ اب ٹھیک ہے نا۔'' وہ کہہ کر ایک دم مڑی اور گو کہ اس نے دیکھا بھی کہ زمر بے ساختہ نرم پڑی تھی' اسے منع کرنے کو کچھ کہنے والی تھی' مگر حنین ان تینوں کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ سعدی کاریڈور میں کھڑا تھا۔ بے ساختہ سیدھا ہوا۔ امید سے اسے دیکھا۔

''کیا انہوں نے یقین کر لیا؟''

''کر لیں گی۔ اپنی صحت کے لئے سب کر لیتے ہیں۔'' وہ تلخی سے بولی۔ سعدی کا دماغ کہیں اور الجھا تھا' غور کئے بنا زمر کے کمرے کا بند دروازہ دیکھنے لگا۔

وہ سر جھٹک کر آگے چلتی گئی۔ کاریڈور عبور کر کے ریسیپشن ڈیسک کراس کیا۔ پھر باہر آئی۔ لان میں مریضوں اور ان کے عزیز و اقارب کی چہل پہل ویسی ہی تھی۔ حنین خفگی سے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی' گھاس کے بیچ روش پہ آگے چلتی جا رہی تھی۔ پھر یکا یک ٹھہری۔ کوئی اسے دیکھ رہا تھا۔ مگر کون اور کدھر؟ وہ مڑی۔ گھوم کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور تبھی دور ایک بینچ پہ' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے' ایک بازو بینچ کی پشت کے پیچھے پھیلائے' بیٹھے ہاشم نے مسکرا کر اسے ہاتھ ہلایا۔ حنین کی آنکھیں اچنبھے سے سکڑیں۔ بہر حال وہ قدم قدم چلتی بینچ کے قریب آئی۔

''سعدی بھائی اندر ہیں۔''اس نے اپنے تئیں ہاشم کو درست سمت دکھائی۔ وہ بس مسکرا کر اسے دیکھے گیا۔

''ابھی مل کر آ رہا ہوں اس سے۔ اس نے بتایا کہ ڈونر کڈنی مل گیا ہے' مگر جس شخص سے خریدا ہے' اس کے بارے میں زمر کو بتانے کی بجائے تمہاری کوئی فرینڈ...'' ہاشم نے فقرہ ادھورا چھوڑا۔ یہ کورا اسٹوری صرف ہاشم کے لئے گھڑی تھی۔ سعدی اس پہ لاکھ اعتماد کرتا' مگر یہ اس کے خاندان کا اندرونی معاملہ تھا۔ اور ہاشم کو بتانے کا مطلب تھا' زمر کو کبھی نہ کبھی وہ بتا دے گا۔ اس کو صرف ''حنین کی دوست گردہ دے رہی ہے'' کہہ کر بھی نہیں ٹال سکتے تھے کہ علیشا اس اداکاری کے لئے دوبارہ مہیا نہیں ہوگی' ہاشم آتا جاتا رہے گا' اگر کھٹک گیا تو کھوج لگائے گا' اور پتہ چلنے پہ سعدی سے بداعتماد ہو جائے گا۔ سو پہلے ہی اسے مطمئن کر دیا۔ وہ ہو بھی گیا۔ اس کی بلا سے گردہ غیر قانونی طور سے ہی خریدا ہو۔ اس کا مسئلہ تو صرف علیشا تھی جس نے اپنی فلائٹ آگے کروالی تھی۔

''میری فرینڈ علیشا... اس نے پھپھو کو کنوینس کر لیا ہے' مگر آپ یہ بات پھپھو کو مت بتایئے گا۔'' وہ سینے پہ بازو لپیٹے' اس کے سامنے کھڑی سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔

''کیا یہ کہنے کی بات ہے؟'' ہاشم نے حیرت سے پوچھا پھر گردن پھیر کر ہسپتال کو دیکھنے لگا۔

''علیشا...ہوں...کیا تم مجھے اس سے ملوا سکتی ہو؟ ابھی اسی وقت؟''

''آ....او کے!'' وہ متذبذب تھی۔

''اور ہاں، تم بھی اس کو نہیں بتاؤ گی کہ تم اسے مجھ سے ملوانے باہر لا رہی ہو۔''

''شیور!'' پلکیں سکیڑ کر اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتی، وہ مڑی اور اندر چلی آئی۔ سعدی اب وہاں نہیں تھا۔ اس نے دروازے سے اندر زمر سے باتیں کرتی علیشا کو اشارہ کیا۔ وہ معذرت کرتی اٹھ آئی۔

''آؤ باہر چلتے ہیں۔'' حنین نے کہا تو وہ دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگیں۔ عینک اور فرنچ چوٹی والی، سوچ میں گم حنین اور ساتھ دراز قد، لمبے بالوں والی خوبصورت سی علیشا۔ انہوں نے راہداری عبور کی، تب علیشا نے پرس سے ان ہیلر نکالا لبوں میں رکھا، اور اسپرے اندر کو دبایا۔ حنین رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا وہ سب اداکاری نہیں تھی؟''

''سوائے دَمے کے، سب فرضی تھا۔'' مسکرا کر اس نے کہتے، ان ہیلر واپس رکھا۔ ''تمہیں کیا لگتا ہے، تمہاری آنٹی نے میرا یقین کر لیا ہوگا؟''

''ان کے پاس کوئی دوسرا آپشن ہے کیا؟'' وہ الجھی الجھی سی سامنے متلاشی نظروں سے دیکھتی لان کو دیکھتی باہر آئی۔ ہاشم کدھر گیا؟

''مجھے بہت افسوس ہے جوان کے ساتھ ہوا۔ کیا حملہ آور ابھی تک نہیں پکڑا گیا؟''

''پکڑا جائے گا۔'' وہ اب گردن پھیر کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اپنا آپ ایک دم بے وقوف سا لگنے لگا۔ یہ ہاشم اسے بلا کر خود کدھر...؟

''ہیلو اگین علیشا!'' وہ دونوں ایک ساتھ گھومیں۔ کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے ہاشم مسکراتا ہوا، ریسیپشن ڈیسک کی سمت سے چلتا آ رہا تھا۔ حنین نے گہری سانس لی۔

اور علیشا کا رنگ فق پڑ گیا۔ وہ سفید، ساکت سی سانس روکے کھڑی تھی۔

''علیشا، یہ میرے...'' حنین نے تعارف کروانے کو الفاظ تلاشے ہی تھے کہ وہ اسے نظر انداز کر کے، گہری سرد نظروں سے علیشا کو دیکھتا، قریب آتے ہوئے بولا۔

''دوبارہ مل کر خوشی ہوئی علیشا۔''

علیشا کی خوف سے ساکت آنکھوں میں حرکت ہوئی، وہ جلدی سے حنین کی طرف گھومی۔ ''حنہ، کیا تم اکیلے میں میری بات سن سکتی ہو؟''

''کیوں؟ مجھ سے کیا مسئلہ ہے؟ آخر ہم ایک فیملی ہیں علیشا۔'' وہ سرد مسکراہٹ سے کہتا، حنین کے الجھے الجھے چہرے کے تاثرات بغور نوٹ کر رہا تھا۔

''حنہ، پلیز، میری بات سن لو پہلے۔'' وہ بے چینی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے وہاں سے دور لے جانے لگی، مگر حنین اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ بس تعجب سے ان دونوں کو باری باری دیکھا۔

''فیملی؟''

''ہاں حنین، علیشا میرے والد کی غیر قانونی امریکی بیٹی ہے۔ اسی لئے تو وہ تمہیں جانتی ہے اور تمہاری اتنی اچھی دوست ہے۔ ابھی اس دن جب علیشا مجھے اور میرے باپ کو دھمکی دینے ہمارے آفس آئی تھی، تب ہی تو اس نے مجھے بتایا تھا کہ کس طرح اس نے تمہارا اکاؤنٹ

ہیک کیا اور... اوہ سوری... شاید یہ بات علیشا نے تمہیں نہیں بتائی تھی۔'' آخر میں افسوس سے اضافہ کیا۔ وہ جو ابھی تک الجھی الجھی سی کھڑی تھی' لفظ 'ہیک' پہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹی۔ بے یقینی سے علیشا کو دیکھا۔ جانے کب ہاتھ سے ہاتھ چھوٹا۔

''اصل میں علیشا میرے ڈیڈ کے بارے میں کافی حساس ہے۔ چونکہ ڈیڈ اس سے مخاطب تک ہونا پسند نہیں کرتے' تو یہ ہر اس شخص کے پیچھے پڑ جاتی ہے، جس سے وہ بات کرتے ہوں جیسے کہ تم حنین۔''

''ہاشم' پلیز!'' وہ نم ہوتی آنکھوں سے منت کرنے لگی۔ ہاشم کے چہرے کی سختی بڑھی' مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''کیوں؟ کیا یہ جھوٹ ہے؟ کیا تم ہیکر نہیں ہو؟ کیا تم نے میرے ڈیڈ کا اکاؤنٹ ہیک نہیں کر رکھا تھا؟ کیا تم نے ان کی اور حنین کی میلز پڑھ کر حنین کا اکاؤنٹ بھی ہیک نہیں کیا تھا؟ کیا تم نے حنین کی توجہ لینے کے لئے وہی گیم نہیں کھیلنی شروع کر دی جو یہ کھیلتی تھی؟''

''ہاشم' بس کر دو۔'' اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ بے اختیار حنہ کو دیکھا' جو پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اردگرد ریسپشن پہ گزرتے لوگ اس وقت ان تینوں کو نظر نہیں آ رہے تھے۔

''حنین' میں نے یہ سب صرف یہ دیکھنے کے لئے کیا تھا کہ تم کون ہو' ورنہ اس کے بعد ہم واقعی دوست تھے۔ وہ سب حقیقت تھا۔ میں نے تمہیں کبھی نقصان نہیں دیا۔''

''تم نے میرے باپ کے لئے میرے خاندان کی بچی کو ٹارگٹ کیا' اور پھر بھی تم میں اتنے گٹس ہیں علیشا کہ کہہ سکو کہ تم نے کچھ غلط نہیں کیا۔''

مگر وہ صرف حنین کو دیکھ رہی تھی۔ خوفزدہ' نم آنکھوں سے۔

''حنہ' میں تمہیں سب بتانے والی تھی۔ پلیز' وہ سب رئیل تھا۔ وہ گھنٹوں کی باتیں' وہ ڈرامے' سسکس کرنا' وہ گیمز' وہ سب رئیل تھا۔''

''تم یہ کہہ رہی ہو کہ تم نے میری فیملی کی اس بچی سے میرے باپ کے بارے میں کبھی کوئی سوال نہیں پوچھا؟''

علیشا بولتے بولتے لاجواب ہو گئی۔ حنین یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔ ہاشم کو اب اس کی مسلسل خاموشی سے کوفت ہو رہی تھی۔ وہ نامحسوس انداز میں حنین کے ساتھ جا کھڑا ہوا' اب وہ دونوں ایک طرف تھے، اور وہ لب آپس میں مس کرتی' پریشان' بھیگی آنکھوں والی علیشا دوسری طرف۔

''علیشا میرے ڈیڈ کو بلیک میل کر کے ان سے پیسے لینے آئی تھی، اس نے تم سے دوستی بھی ڈیڈ کے بارے میں خبریں حاصل کرنے کے لئے کی تھی۔ اپنے دماغ پہ زور دو حنین' کتنی ہی دفعہ تم لوگوں نے بات بہ بات ان کا ذکر کیا ہوگا' ہے نا؟'' وہ کٹیلی نگاہوں سے علیشا کو دیکھتا، حنین کو بتا رہا تھا۔

مگر حنین.... وہ بالکل چپ کھڑی تھی۔

''حنہ' پلیز' میری نیت بری نہیں تھی۔ پلیز' میری بات تو سمجھنے کی کوشش کرو۔''

اور حنین کے پتھر لب ہلے۔

''اس گیم کا کیا، علیشا؟''

''کیا؟'' علیشا کے بہتے آنسو رک گئے۔

''میں پانچ ماہ تک اس جیولز والی گیم میں پہلے نمبر پہ تھی۔ ٹاپ اسکورر۔ پھر محض دو دن میں تم پہلے نمبر پہ آ گئی۔ تم نے یہ کیسے کیا علیشا؟''

ہاشم نے بمشکل اکتاہٹ پہ قابو پایا۔ (وہ کہاں سیاست' اسکینڈلز' بلیک میلنگ کی بات کر رہا تھا' اور کہاں ان لڑکیوں کے دماغ سے

گیمز نہیں نکلتی تھیں۔)

علیشا ندامت بھرے آنسوؤں سے اسے دیکھتی رہی۔

''وہ کچھ پوچھ رہی ہے.....جواب دو۔''

''میں نے.....'' وہ رندھی ہوئی آواز میں کہنے لگی' امید اور خوف سے ملی جلی نظریں ہنوز حنہ کے چہرے پہ تھیں۔''میں نے کچھ Cheat Codes استعمال کیے تھے' اور.....''

''اوہ...اوہ...اوہ...'' حنین نے ایک دم غصے سے سر جھٹکا۔''تو تم چیٹنگ کر کے جیتتی تھیں! اوہ علیشا' مجھے بھی معلوم تھا کہ بے ایمانی ایسے کرنی ہے' مگر میں نے نہیں کی۔صرف محنت کی۔تین سال میں لگی رہی' دوسرے سے پہلے نمبر پہ نہ آسکی مگر چیٹنگ نہیں کی' کیونکہ میں حنین یوسف تھی' بھائی نے مجھے قرآن کے آخری پارہ اور پانچ بڑی سورتیں حفظ کرا رکھی تھیں' کیونکہ میں بنی اسرائیل میں سے تھی، آلِ یوسف۔انبیاء کی اولاد۔میں نے بے ایمانی نہیں کی' اور تم...تم تین سال سے یہی کرتی آئی۔'' درد سے پھٹتے لہجے سے کہتی' غصے سے اسے دیکھ کر نفی میں سر ہلاتی وہ قدم قدم پیچھے ہٹ رہی تھی۔''تم نے مجھے استعمال کیا۔ہم اتفاق سے نہیں ملے۔سب کچھ تم نے پلان کیا۔فارس ماموں ٹھیک کہتے تھے تمہارے بارے میں...'' وہ پیچھے ہٹتی راہداری کے قریب ہو رہی تھی۔علیشا نے کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔گرم آنسو بہتے رہے۔اعمال کے نتائج ہوتے ہیں اور بھگتنا پڑتے ہیں۔

''لوگ کہتے ہیں علیشا کہ کوئی لڑکا کسی لڑکی کا دوست نہیں ہو سکتا۔آج دل چاہ رہا ہے ان سے پوچھنے کا' کہ کیا کوئی لڑکی بھی کسی لڑکی کی دوست بن سکتی ہے؟'' نفی میں سر ہلاتی' وہ مڑی اور تیز تیز اندر چلی گئی۔

مطمئن سے کھڑے ہاشم نے اب کے رخ پھیر کر فرصت سے علیشا کو دیکھا' جو آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔پھر اسے کہنی سے تھاما، اور دھیرے دھیرے ساتھ لے کر باہر آیا۔ایک کونے میں، نسبتاً سنسان جگہ پہ آ کر اس نے علیشا کی کہنی چھوڑی۔

''آئی ایم رئیلی سوری علیشا۔لیکن اگر تم نے یہ سمجھا تھا کہ تم ہاشم کاردار کو بلیک میل کر سکتی ہو' تو تم غلط تھیں۔''

علیشا نے بھیگی آنکھیں کھولیں۔دکھ سے اسے دیکھا۔

''وہ میری دوست ہے۔''

''تھی۔اب نہیں رہی۔آئندہ.....'' انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔''اگر تم نے اس سے کوئی بھی رابطہ کیا تو میں اس سے بھی زیادہ کر سکتا ہوں تمہارے ساتھ۔''

''تم شیطان ہو!'' وہ نفرت سے اسے دیکھتی رہی۔آنسو اب تھم رہے تھے' غصہ اس کی جگہ لے رہا تھا۔

''تھینک یو اس کامپلیمنٹ کے لئے۔اب تم آنسو صاف کرو' اور جاؤ۔باہر نکل کر پہلی کالی گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔وہ تمہیں ہوٹل لے جائے گی' سامان پیک کرو اور ایئر پورٹ جاؤ ورنہ تمہاری آج رات کی فلائٹ کا وقت نکل جائے گا، یہ کچھ رقم اس میں ہے' یہ رکھ لو۔'' کوٹ کی اندرونی جیب سے خاکی لفافہ نکال کر بڑھایا۔علیشا نے تنفر سے اس لفافے کو دیکھا۔

''مجھے یہ خیرات نہیں چاہیے۔یونیورسٹی کی فیس نہیں دے سکتے تو اس کی بھی کیا ضرورت تھی۔''

''دراصل یہ خیرات نہیں ہے۔یہ تمہاری ماں کے ہاسپٹل کے بلز جتنی رقم ہے۔اوہ آئی ایم سوری' شاید آج تمہاری اپنی ماں سے بات نہیں ہوئی۔'' وہ ایک دم بہت ہی ہمدردی سے بولا۔علیشا نے چونک کر اسے دیکھا۔وہ موبائل پہ کچھ نکالنے لگا۔

''میں نے سنا ہے کہ چند گھنٹے قبل تمہاری ماں کو کسی نیم تاریک سڑک پہ ایک کار نے ٹکر مار دی تھی۔اتفاق سے اس گلی کے سی سی ٹی وی کیمرا خراب تھے' اور موقعے کا کوئی گواہ بھی نہیں ہے۔بہرحال جس ہسپتال میں وہ داخل ہے' جہاں ابھی اس کی حالت خطرے سے مکمل طور پہ

باہر نہیں ہے' وہاں کام کرنے والے میرے ایک دوست نے یہ مجھے بھیجا تھا۔'' ساتھ ہی نرمی سے مسکراتے ہوئے موبائل اسکرین سامنے کی۔ وہ جو دم بخود سی سنتی جا رہی تھی' تیزی سے آگے ہوئی، اسکرین پہ ہسپتال کے بستر پہ اس کی ماں تھی۔ گردن میں کالر' ایک بازو پلستر میں۔ علیشا نے بے اختیار چیخ روکنے کو منہ پہ ہاتھ رکھا۔

''سو علیشا یہ خیرات نہیں ہے' یہ تمہارے کام آئے گا۔'' موبائل واپس رکھا' اور وہ لفافہ اس کی کہنی پہ ٹنگے پرس میں گرا دیا' پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک کاغذ اور قلم نکال کر اس کے سامنے کیا۔

''یہ تمہارا بیانِ حلفی ہے، جس کے تحت تم ماں کی بیماری کے باعث واپس جا رہی ہو' اور یہ کہ تمہارا فارس غازی کے کیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ تم قتل کے وقت اس کے ساتھ تھی' نہ ہی تم اس کو بے گناہ سمجھتی ہو۔ اور اگر تم یہ سائن نہیں کرو گی' تو..... میرا دوست جو اس ہسپتال میں تمہاری ماں کے ساتھ ہے..... وہ بہت کام کا بندہ ہے۔ تم جانتی ہو وہ کیا کیا کر سکتا ہے' مجھے ایسے الفاظ کہنے پہ مجبور نہ کرو۔'' بے لچک انداز میں کہتے ہوئے ہاشم نے قلم کھول کر اس کے ہاتھ میں تھمایا' کاغذ سامنے کیا۔

علیشا کے بے بس آنسو بہہ رہے تھے اور اتنی ہی نفرت سے ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔ ''میں امریکی شہری ہوں، میں ابھی اپنے سفارت خانے فون کر سکتی ہوں اور اس سب کے بارے میں بتا سکتی ہوں۔''

''بالکل' اسی طرح کرو۔ بلکہ یہ کرنے کے لئے میرا فون استعمال کر لو۔'' فوراً سے ہاشم نے اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ ''امریکن قونصلیٹ کی فرسٹ سیکرٹری کا نمبر میرے اسپیڈ ڈائل کے پچیسویں نمبر پہ محفوظ ہے۔ میری بہت اچھی جان پہچان ہے اس سے۔ اوہ شاید تم بھول گئی کہ میں' میرا بھائی' میری ماں' ہم سب بھی امریکی شہری ہیں۔ یہاں کرنے ہیں دستخط!'' ساتھ ہی بہت سہولت سے کاغذ پہ اشارہ کیا۔

علیشا بے بسی سے اسے دیکھتی رہی، پھر بائیں ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کیے' کاغذ دیوار سے لگایا' اور دستخط کرتی گئی۔

''یاد رکھنا ہاشم' تم بھگتو گے۔ خدا تمہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

یہ کہہ کر وہ آنکھوں میں آنسو لئے پلٹ گئی۔ ہاشم نے قلم بند کیا' کاغذ سمیت جیب میں رکھا' اور اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ پھر گہری سانس لی۔ چلو یہ باب تو ختم ہوا۔

.....❖❖❖.....

یہ کون لوگ ہیں جو روشنی پہ ہیں مامور ..... دیے بجھائے ہیں کتنے نئے جلائے نہیں

اگلی صبح ہاشم اور جواہرات، ہشاش بشاش اور خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے، ہسپتال کی راہداری میں چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ حنین نے ویٹنگ روم کے دروازے سے ان کو آتے دیکھا، اور پھر واپس اندر ہو گئی۔ ہاشم نے بھی اسے دیکھ لیا تھا' تبھی جواہرات سے کہا۔

''آپ ٹھہریں، میں آتا ہوں۔'' وہ وہیں کھڑی ہو گئی، اور ہاشم متلاشی نظروں سے دیکھتا آگے بڑھتا آیا' یہاں تک کہ ویٹنگ روم کے سامنے آ رکا۔ اندر کرسی پہ حنین بیٹھی نظر آ رہی تھی۔ گھٹنے ملائے' سر جھکا کر' ویران نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی' وہ بالکل شل تھی۔ علیشا پچھلی رات کی فلائٹ سے واپس جا چکی تھی، اور حنین غالباً ابھی تک شاک میں تھی۔

''حنین۔ بیٹا آپ ٹھیک ہو۔'' وہ نرمی سے پوچھتا دو قدم اندر آیا۔ حنین نے چہرہ اٹھا کر خالی خالی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''آئی ایم سوری' مجھے پہلے پتہ ہوتا کہ وہ تمہاری دوست ہے' تو میں تمہیں خبردار کر دیتا۔ مگر پریشان نہ ہو، وہ اب تمہیں ہرگز تنگ نہیں کرے گی۔'' تسلی دیتے ہوئے وہ مزید آگے آیا۔

حنین بس آنکھوں میں خاموشی لئے اسے دیکھتی رہی۔

''وہ ایسی ہی لڑکی ہے۔ ہمیں کافی عرصے سے تنگ کر رہی ہے۔ یقین کرو ڈیڈ اس کو اتنے پیسے دے چکے ہیں مگر اس کا دل نہیں بھرتا۔ وہ محبت لینے ہمارے پاس آتی تو ہم اسے اپنے ساتھ رکھ لیتے، مگر وہ ہمیشہ پیسوں کے لیے آتی ہے۔''

حنین بس اسے دیکھے گئی۔ چپ چاپ۔

''اگر وہ دوبارہ تمہیں کوئی نقصان دینے کی کوشش کرے، تب تم سب سے پہلے مجھے بتاؤ گی، میں اسے سنبھال لوں گا، او کے بیٹا؟'' وہ اسے ہمدردی سے بتاتا جا رہا تھا، حنین اسی طرح اسے دیکھے گئی۔ یہاں تک کہ ہاشم چپ ہو گیا۔

تبھی جواہرات وہاں آتی دکھائی دی۔ ہاشم نے مسکرا کر ماں کو دیکھا اور گردن پھیر کر حنہ سے بولا۔ ''یہ بات ہم دونوں کے درمیان رہے گی، او کے''۔

جواہرات اب قریب آ چکی تھی۔ اس نے کچھ نہیں سنا تھا۔ بس ہاشم کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''آؤ، زمر انتظار کر رہی ہو گی۔''

''آپ جائیں، میں نے کل مل لیا تھا۔ بس اسے کہیئے گا کہ اپنا فون مجھے بھجوا دے، پولیس ریکارڈ کے لیے دوبارہ سے چاہیئے۔'' وہ ماں سے بات کرتے کرتے باہر جانے کو پلٹے کہ۔۔۔

''کیا آپ کو معلوم ہے مسز کاردار کہ آپ کے شوہر کی دوسری بیٹی کل یہاں تھی؟''

ہاشم ایک جھٹکے سے مڑا اور بے یقینی سے حنین کو دیکھا جو تیز نظروں سے اسے گھورتی، اٹھ کر ان دونوں کے مقابل آ کھڑی ہوئی، سینے پر بازو لپیٹے اور تیکھے انداز میں جواہرات کو مخاطب کیا۔ ''کیا آپ کو معلوم ہے کہ کل ہاشم بھائی نے اسے یہاں سے نکالا تھا۔ میں نے کھڑکی سے دیکھا تھا، وہ روتے ہوئے جا رہی تھی۔'' ہاشم کی معلومات میں اضافہ کیا۔

جواہرات کے تاثرات نہیں بدلے، وہ سرد سا مسکراتی رہی۔ ہاشم نے پریشانی اور غصے سے حنین کو دیکھا اور پھر ماں کو۔

''حنین، یہ کیا طریقہ ہے میری ماں سے بات کرنے کا۔۔۔''

''مجھے سب پتہ ہے، بچے۔'' جواہرات نے مسکرا کر اس کا گال تھپتھپایا، ایک کٹیلی نظر ہاشم پہ ڈالی اور باہر نکل گئی۔ وہ بے حد طیش سے اس کی طرف گھوما۔

''یہ کیا تھا؟'' مگر وہ بے خوفی اور تندہی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اگر آپ کو بھول گیا تھا تو یاد کروا دوں ہاشم بھائی کہ میں زمر یوسف کی بھتیجی ہوں، حنین یوسف، اور میں بھی معاف نہیں کرتی۔ اور میں بالکل بھی سعدی بھائی جیسے لوگوں میں شامل نہیں ہوں جو آپ کی اچھی Looks اور اچھے مینرز کی وجہ سے آپ سے متاثر رہتے ہیں۔ مجھے آپ پہلے بھی ناپسند تھے، اور جو کل جو آپ نے کیا، اس کے بعد تو میں آپ کو زیادہ ناپسند کرنے لگی ہوں۔'' چبا چبا کر بولتی اس کی آواز اونچی ہونے لگی۔ ہاشم غصہ ضبط کیے، لب بھینچے کھڑا رہا۔ ''آپ نے مجھے استعمال کیا، اپنا اور علیشا کا جو بھی جھگڑا تھا، اس میں سے اپنا مقصد نکالنے کے لئے۔ آپ کو پتہ تھا وہ میری دوست ہے، مگر آپ نے اس وقت نہیں بتایا جب اسے لانے کو مجھے اندر بھیجا تھا۔ میں سعدی بھائی نہیں ہوں جو آپ کی ہر بات کو صحیح سمجھ لوں گی۔'' پھر انگلی اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے، تندہی سے وارننگ دی۔ ''آئندہ مجھے کبھی استعمال کرنے کی کوشش کی آپ نے، تو میں اس سے بھی برا کر سکتی ہوں کیونکہ مجھے اور آپ ابھی جانتے نہیں ہیں۔''

گھور کر اسے دیکھتی، وہ ساتھ سے نکل کر آگے بڑھ گئی، اور ہاشم ضبط سے گہرے سانس لیتا، وہیں کھڑا کھولتا رہا۔ کچھ دیر تک تو اسے یقین نہیں آیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ شاک کے عالم میں نہیں بیٹھی تھی کیا؟ وہ غصے میں بیٹھی تھی؟

پھر تیزی سے اس نے فون نکالا۔ خاور نے پہلی گھنٹی پہ کال اٹھا لی۔

''یس سر؟''

''کیا علیشا کا دوبارہ رابطہ ہوا سعدی کی بہن سے؟''

''نہیں سر، میں مانیٹر کر رہا ہوں۔ وہ علیشا کے کسی میسیج کا جواب نہیں دے رہی۔''

''او کے!'' ایک تسلی بخش احساس سا اندر اتر آیا۔

جب وہ باہر آیا تو حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر زمر کے کمرے سے نکال رہی تھی۔ اس نے ایک تیز نگاہ حنہ پہ ڈالی' وہ بھی جواب میں اتنی ہی شعلہ بار نظروں سے اسے گھورتی پلٹ گئی' اور وہیل چیئر دور لے جانے لگی۔ دل اس کا ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ کیا اس نے رات سے سوچے گئے سارے پوائنٹس کہہ دیے نا؟ کچھ رہ تو نہیں گیا؟ ہونہہ، آئے تھے مجھے استعمال کرنے۔

ہاشم تیز تیز چلتا دوسری جانب مڑ گیا۔ اسے اب باہر کار میں بیٹھ کر جواہرات کے آنے کا انتظار کرنا تھا۔

جواہرات اندر زمر کے سامنے کرسی پہ بیٹھی، غصے سے کہہ رہی تھی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ حماد ایسا کرے گا۔ میں نے تمہیں بتائے بغیر کہ تم اسے عزتِ نفس کا مسئلہ نہ بنا دو' حماد کو آسٹریلیا میں اپنی کمپنی میں جاب بھی آفر کی' بس شہر بدلنا پڑتا مگر تین گنا زیادہ کما لیتا، اور اس نے کیا کیا۔ جس مینیجر سے اسے ملوایا' اسی کی بیٹی کو پھانس لیا۔'' وہ گویا ابھی تک ورطۂ حیرت میں تھی۔

تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز زمر بس چپ سی اسے دیکھے گئی۔

''تم کہو تو میں اس مینیجر کو ابھی فائر کیے دیتی ہوں۔ اس کو معلوم تھا کہ حماد کی شادی ہونے والی ہے' پھر بھی اس نے اپنی بیٹی کے آگے ہتھیار ڈال دیے۔ دنیا کتنی خود غرض ہے!'' جواہرات نے جھرجھری لی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔ حماد نے درست فیصلہ کیا۔ اسے یہی کرنا چاہیے تھا۔'' وہ ویران آنکھوں سے کھڑکی کو دیکھنے لگی۔

''مگر تم کیسے اس زیادتی پہ خاموش رہ سکتی ہو۔ وہ تمہارا منگیتر ہے' تمہیں اسٹینڈ لینا چاہیے۔''

''اس نے کچھ غلط نہیں کیا مسز کاردار۔ میں جانتی ہوں' میں کبھی ماں نہیں بن سکوں گی' میری کبھی کوئی فیملی نہیں ہو سکے گی۔ ایسے میں اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔''

کرسی پہ بیٹھی جواہرات کے چہرے پہ ہمدردی ابھری، دل میں درد سا جاگا۔ ''آئی ایم رئیلی سوری' ہر اس چیز کے لئے جو تمہارے ساتھ کی گئی۔'' ہاتھ بڑھا کر اس کے پیر کو ذرا سا دبایا۔ ''بس تم کسی کو بددعا نہ دینا۔ کرنے والے کو کسی بات نے مجبور کر دیا ہوگا' ورنہ اتنا ظلم کوئی ہنسی خوشی نہیں کر سکتا۔''

زمر نے آنکھیں اٹھا کر تکان سے اسے دیکھا۔ ''یہی تو سمجھنے سے قاصر ہوں' اتنے دن سے یہی تو سوچ رہی ہوں کہ فارس نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ نہ کوئی دشمنی تھی' نہ پرانا بغض۔ میں تو اس کی ٹیچر تھی' میرے کتنے کام کر کے دیتا تھا۔ پھر ایک دم وہ کیسے بدل گیا؟''

جواہرات کی آنکھوں میں چھائی ہمدردی غائب ہوئی' اس کی جگہ بے چینی نے لے لی۔ اس کے پاؤں سے ہاتھ ہٹا لیا۔

''ہو سکتا ہے کوئی پرانا عناد ہو۔ کوئی رشتے وغیرہ کا چکر۔'' وہ احتیاط سے لفظ لفظ ادا کر رہی تھی۔ زمر کی حمایت کسی قیمت پہ نہیں کھونی تھی۔

''ایسا کچھ بھی نہیں تھا' کبھی بھی نہیں۔'' وہ ناگواری سے تڑخ کر بولی۔ ''وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' بس!'' جواہرات جلدی سے مسکرائی۔

''میں تو محض ایک خیال کا اظہار کر رہی تھی' عموماً قتل تین باتوں پہ ہوتے ہیں۔ زن' زر' زمین۔ یعنی' عشق' دولت' یا اپنی طاقت کا غرور... لیکن ہو سکتا ہے کہ وجہ وہی ہو جو وہ کہہ رہا تھا۔ اپنے پہلے قتل کو چھپانا۔''

''نہیں۔'' وہ لب دانت سے کچلتی نفی میں گردن ہلانے لگی۔ ''صرف یہ بات نہیں تھی۔ اس روز وہ فارس لگ ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے ایسے مجھ سے بات نہیں کی۔ پھر ایک دم سے.... میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟'' وہ پلکیں سکیڑ کر کھڑکی کو دیکھتی سوچے گئی۔ پھر آنکھوں میں ایت ابھری۔ ''کیا معلوم واقعی وہ فارس نہ ہو' کسی نے فارس بن کر مجھ سے بات کی ہو۔ شاید میں ہی....''

جواہرات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ''اور اس کے فنگر پرنٹس؟ وارث کے ڈی این اے والی رسی کا اس کی کار سے ملنا؟ اس کی گن؟ ہوٹل میں اس کے نام کا کمرہ۔ اس سب کی وضاحت کیسے کرو گی؟ اوہ شاید تم اپنے والد اور بھابھی کی باتوں کا اثر لے کر کمزور پڑ رہی ہو۔ میں سمجھ سکتی ہوں' اپنوں کے لئے انسان کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔'' سمجھنے والے انداز میں جواہرات نے سر کو خم دیا۔

''میں نہ کمزور ہوں' اور نہ کسی کا اثر لے رہی ہوں۔'' وہ ناگواری سے تیزی سے بولی۔ ''میں صرف ان کے مفروضے کو دہرا رہی تھی۔ وہ فارس ہی تھا' اس نے مجھے شوٹ کیا' میں آج بھی اپنے بیان پہ قائم ہوں۔'' شانے اچکا کر وہ خفگی سے رخ موڑ گئی۔

جواہرات کے لبوں پہ مسکراہٹ ابھری، ستائش سے اسے دیکھا۔

''گڈ' تم ایک بہادر لڑکی ہو۔ تمہیں خاندان والوں کا دباؤ نہیں لینا۔ تمہیں فارس سے اپنا انتقام لینا ہے۔''

''میں پراسیکیوٹر ہوں' انصاف پہ یقین رکھتی ہوں' انتقام پہ نہیں۔ کم از کم تب تک نہیں' جب تک انصاف کی امید باقی رہے۔ میں نے بیان دینا تھا دے دیا' اب اور کچھ نہیں کرنا مجھے۔''

جواہرات کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ ''تم... تم اس کو کورٹ میں پراسیکیوٹ نہیں کرو گی کیا؟''

''نہیں۔ ایک دوسرے پراسیکیوٹر اس کیس کو plead کریں گے۔''

''مگر تمہیں فارس کو اس طرح نہیں چھوڑنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے تمہاری شادی....''

''میں اپنی مرضی کی مالک ہوں مسز کاردار۔ جیسے خاندان کا دباؤ نہیں لیا' ویسے ہی آپ کا بھی نہیں لوں گی۔ آپ چاہتی ہیں' میں فارس کو سزا دلواؤں' کیونکہ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے' میں جانتی ہوں آپ لوگوں کے جائیداد کے مسئلے ہیں۔ دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو ہم اب دوست ہیں۔'' وہ کافی سنجیدگی سے جواہرات کو دیکھ کر کہہ رہی تھی' جو آگے سے پھیکا سا مسکرا دی۔

''اور میں آپ کی جگہ ہوتی' تو یہی کرتی۔ میں سمجھ سکتی ہوں کہ آپ مجھے کیوں بار بار اس کے خلاف کارروائی پہ اکسا رہی ہیں۔ مگر میرا ایک خاندان ہے۔ اور وہ شخص سعدی کا ماموں ہے۔ میں نے بیان دینا تھا' دے دیا۔ اب آگے عدالت جانے اور پولیس۔ فارس کا مجھ سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں تھا' اس نے یہ کسی اور وجہ سے کیا' ممکنہ طور پہ وہی جو اس نے بتائی تھی' اس لئے میں ذاتی طور پہ اس کے خلاف کچھ نہیں کروں گی۔''

جواہرات بمشکل مسکرا پائی۔ ''میں سمجھ سکتی ہوں۔ بہت سی چیزوں میں ہم ایک جیسے ہیں زمر۔ خیر تم نے درست فیصلہ کیا۔ اگر تم اس کے خلاف محاذ کھول لیتیں' تو ندرت یا اس کے بچے تمہاری شکل دیکھنے سے بھی رہ جاتے۔ مگر میں امید کرتی ہوں' کہ تم اس کیس کو خود لینے سے قبل از اس وجہ سے نہیں برت رہی کہ تم دور اندر کہیں اس کو بے گناہ سمجھتی ہو۔''

زمر لمحے بھر کو بالکل چپ سی ہو کر جواہرات کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا تم اندر سے اپنے ہی بیان پہ خود مشکوک ہو چکی ہو' مگر چونکہ خود کو غلط ماننے میں تمہاری ناک آڑے آتی ہے' سو تم اس پہ ڈٹی ہوئی ہو؟''

''ایسا نہیں ہے۔'' وہ اب کے کافی مضبوطی سے بولی۔ ''کبھی کبھی مجھے متضاد خیالات آتے ہیں' مگر میرا یقین ان کے مقابلے میں زیادہ پختہ ہے۔ وہ فارس ہی تھا' کوئی بھی چیز مجھے اس بیان سے نہیں ہٹا سکتی۔ اپنی ناک عزیز ہے مجھے' مگر بے انصافی کی حد تک نہیں۔ اگر مجھے

لگتا وہ بے گناہ ہے تو میں خاموش رہتی۔ وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا۔ شاید اگر میرے ابا کو فالج نہ ہوا ہوتا تو بھی میں خاموش رہ جاتی' مگر اب نہیں۔''

جواہرات گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی' مسکرا کر اس کے شانے پہ ایک ہاتھ رکھا' دوسرے سے اپنا بیگ اٹھایا۔ ''دشمن کا دشمن دوست ہوتا ہے' سو تم مجھے ہمیشہ اپنا دوست پاؤ گی۔''

زمر نے سر اثبات میں ہلایا۔ جواہرات بیگ کندھے پہ لٹکاتی باہر نکل گئی۔ دروازہ بند ہوا تو زمر کے تاثرات بدلے۔ سپاٹ چہرے پہ بے پناہ کرب امڈ آیا۔

اس نے مٹھی ہونٹوں پہ رکھی' آنکھیں بند کر کے ضبط کرنا چاہا' مگر آنسو امڈ امڈ آ رہے تھے۔ وہ خبر جس پہ وہ سارا وقت ضبط کر کے بیٹھی رہی تھی، وہ پھر سے طمانچے کی طرح آن لگی تھی۔

حماد کی شادی ہو رہی تھی' حماد کہیں اور شادی کر رہا تھا۔ یہ سہنا اتنا آسان نہیں تھا، جتنا اس نے ابھی جواہرات کے سامنے ظاہر کیا تھا۔ گردن جھکائے' ہاتھ ہونٹوں پہ دبا کر رکھے' وہ مسلسل بند آنکھوں سے آنسو روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تبھی دروازہ بجا۔ زمر نے تیزی سے چہرہ کھڑکی کی طرف پھیر لیا' اور انگلی سے آنکھوں کے گیلے کنارے جلدی جلدی خشک کرنے لگی۔ ذرا کھنکار کر رندھی آواز کا گیلا پن دبانا چاہا اور بولی۔ ''آ جایئے۔''

دروازہ کھلنے کی آواز آئی' حنین بڑے ابا کی وہیل چیئر اندر لا رہی تھی۔ زمر رخ موڑے' سائیڈ ٹیبل پہ کچھ تلاشنے لگی' ساتھ بار بار پلکیں جھپک کر ان کا گلابی پن دور کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا تم سرجری کے لئے تیار ہو؟'' پشت سے ابا کی آواز آئی۔ وہ ''جی'' کہتی سنجیدگی سے سیدھی ہوئی۔ آنکھیں اب ہلکی گلابی تھیں۔

حنین خاموشی سے بڑے ابا کی کرسی کے عقب میں کھڑی رہی۔

''تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔'' انہوں نے نم آنکھوں سے مسکرا کر اسے تسلی دینا چاہی۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔ ''مجھے پتہ ہے۔'' پھر قدرے بے چینی سے بند دروازے کو دیکھا۔ ''سعدی کہاں ہے؟ اسے بھی بلا لیں۔''

بڑے ابا کی مسکراہٹ سمٹی۔ اس کی ذرا ذرا گیلی آنکھوں کو غور سے دیکھا' اور پھر ان سے چھلکتی بے تابی کو۔ لب کھولے' مگر بند کر دیے۔

(وہ آ جائے تو میں اس کے سامنے حنین کو بتا دوں گی کہ میں تمہارے ماموں کے خلاف کیس نہیں لڑوں گی' نہ اس کے کیس کو فالو کروں گی۔)

''بھائی انگلینڈ چلا گیا تھا۔ ان کا ٹیسٹ تھا ایک' پھپھو!'' سنجیدگی سے حنین نے بتایا۔

زمر بس اس کو دیکھ کر رہ گئی۔ بالکل یک ٹک' سانس روکے۔

''سعدی..... چلا گیا؟'' لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر نکلے۔ حلق میں کچھ اٹکنے لگا۔

''ہم تو ہیں نا' بیٹا! اس کی مجبوری تھی۔''

مگر وہ ہنوز' ششدر سی حنین کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا اسے میرے آپریشن کا پتہ تھا؟''

(بھائی سے زیادہ کسے پتہ ہوگا؟) اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

زمر کے لب بھنچ گئے۔ ابرو اکٹھے کیے' وہ خفگی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''ندرت بھی آنے والی ہے' ہم سب تمہارے ساتھ ہوں گے سرجری کے دوران۔ سعدی بھی کال کرتا رہے گا۔''

(کال کرنا پراہ کرنے کے مترادف نہیں ہوتا' ابا۔) مگر وہ لب سیے' دوسری جانب دیکھتی رہی۔ حنین ناگواری سے پلٹ گئی۔ اس کا دل ہر شے سے اچاٹ ہو رہا تھا۔

وہ باہر آئی تو سعدی منتظر کھڑا تھا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ دونوں کی پشت دیوار سے لگی تھی' اور نظریں سامنے تھیں۔

''کیا آپ ایک دفعہ ان کو خدا حافظ کہنے بھی نہیں جا سکتے تھے؟''

''میں نے ان سے بہت بدتمیزی کی تھی' اب نہیں سامنے جاؤں گا۔ وہ میری شکل دیکھ کر دل کی بات جان لیں گی۔''

''تو پھر زبان کی بات کا یقین کیوں نہیں کرتیں؟'' پھر ذرا نرمی سے بولی۔

''صرف مل ہی لیں۔'' سعدی نے سر کو دائیں بائیں ہلایا۔

''اونہوں.. مجھے ڈر ہے، ان کے سامنے جا کر میں رونے لگ جاؤں گا۔''

گویا حنین کا دل کسی نے دبا دیا ہو۔ اس نے بے اختیار مڑ کر سعدی کا چہرہ دیکھا۔ وہ اداسی سے سامنے دیکھ رہا تھا۔ جینز پہ آدھے آستین کی میرون شرٹ' چھوٹے کٹے بال جو سامنے سے سیدھے اور سر کی پشت سے گھنگھریالے تھے۔ چہرے پہ چھایا ایک معصوم سا تاثر۔

''آپ انگلینڈ جانے کے بعد پہلی دفعہ آئے گھر تو ہم سب نے کہا کہ آپ بدل گئے ہیں' پہلے سے زیادہ اسمارٹ اور عقلمند۔ مگر.... آپ تو آج بھی ویسے ہی ہیں۔'' سعدی نے نظریں پھیر کر سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

''معصوم!'' وہ اداسی سے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''معصوم! کیا یہ میرا دوسرا نام ہے؟''

''پہلا کیا تھا؟''

''ہمارا سعدی!'' اور وہ دونوں ہنس پڑے۔ اداس سے ماحول میں زندگی کی کوئی تال کسی نے چھیڑی تھی۔

''علیشا کا کچھ پتہ چلا؟'' اس سوال پہ حنین کی ہنسی تھمی۔ سر نفی میں ہلایا۔

''میں نے اس کی ساری میلز اور میسجز بغیر پڑھے مٹا دیے۔ ہر جگہ سے اسے بلاک کر دیا۔ اس نے مجھے دھوکہ دیا ہے۔ میں دوبارہ اس سے کبھی بات نہیں کرنا چاہتی۔''

''تم نے صحیح کیا۔''

''اور آپ نے دیکھا' کس طرح وہ اپنا بیان بدل کر چلی گئی۔ اس نے میرا غصہ ماموں پہ اتار دیا۔ شاید میں اس کی کال اٹھا لیتی' اگر مجھے یہ نہ پتہ چلتا کہ اس نے اپنی گواہی بدل دی ہے۔ اپنے باپ سے مسئلہ تھا تو ان تک ہی رکھتی۔ مجھے کیوں درمیان میں لائی۔'' وہ سخت رنجیدہ لگ رہی تھی۔

''چلو اب تم دوبارہ ہاشم بھائی سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔ ان کا اس سے خون کا رشتہ ہے' وہ لوگ ایک دن پھر اکٹھے ہو جائیں گے' ہم درمیان میں کیوں آئیں۔'' وہ نرمی سے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ حنین بے دلی سے سر ہلاتی رہی۔

''اس نے کہا تھا' چیونٹیاں انتقام لینے پہ آئیں تو انہیں کوئی نہیں ہرا سکتا' مگر پھر وہ کیوں ہار گئی' بھائی؟ اس کو بغیر پیسے دیے ہاشم بھائی نے بھیج تو دیا ناواپس!'' بس ایک یہی الجھن تھی جو اسے ستا رہی تھی۔

سعدی کچھ دیر کو بالکل خاموش ہو کر سوچتا رہا۔ حنین منتظر تھی۔

''کیا تم سارا وقت ڈرامے دیکھتی رہتی ہو؟ یا قرآن بھی پڑھتی ہو؟ جیسے انگلینڈ جانے سے پہلے ہم اکٹھے پڑھتے تھے۔''

''کیا بھائی' پڑھتی ہوں نا۔'' ایک دم بہت سستی سے کہتے ہوئے وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''اور کیا تمہیں وہ سورتیں یاد ہیں جو ہم نے حفظ کی تھیں؟''

حنین نے انگلی سے کان کے پیچھے بال کھجائے۔

''جی... یاد ہیں' میں ذرا سا دہرا کر سنا سکتی ہوں۔'' (کہیں وہ ابھی کے ابھی سن ہی نہ لے۔)

''بہت اچھا۔'' خفگی سے اس کو دیکھا' وہ ایک دم بہت معصومیت سے سر جھکائے اپنی عینک اتار کر شیشے سے کچھ صاف کرنے لگی تھی۔

''بہر حال' ہم نے ایک سورۃ حفظ کی تھی' سورۃ نمل' یاد ہے؟''

''جی' بالکل۔'' عینک صاف کر کے آنکھوں پہ لگاتے ہوئے اس نے ذہن پہ زور ڈالنا چاہا کہ پہلی آیت کہاں سے شروع ہوتی تھی؟ اُف.... یاد کیوں نہیں آ رہا۔

''اور نمل کا مطلب کیا تھا؟''

حنین ایک دم کھل کر مسکرا دی۔ شکر بھائی نے سورۃ نہیں سنی تھی' یہ سوال تو بہت آسان تھا۔ ہسپتال کا کاریڈور ایک دم خوشگوار لگنے لگا۔

''نمل یعنی چیونٹی!'' بہت اعتماد سے مسکرا کر بتایا۔

سعدی نے پہلے تعجب اور پھر خفگی سے اسے دیکھا۔ ''یعنی کہ تم نے عرصے سے قرآن نہیں کھولا۔''

حنین ہکا بکا رہ گئی۔ ''مگر میں نے صحیح بتایا ہے۔''

''غلط بتایا ہے۔ نمل کا مطلب چیونٹی نہیں ہوتا۔''

''تو پھر کیا ہوتا ہے؟''

''چیونٹی کو ''نملۃ'' کہتے ہیں۔ نمل کا مطلب ہوتا ہے ''چیونٹیاں''۔

حنین کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے، نروٹھے پن سے بھائی کو دیکھا۔ ''وہی نا' ایک ہی بات ہوئی۔''

''اگر ایک بات ہوتی' تو اللہ تعالیٰ اس سورۃ کا نام نملۃ رکھ دیتا۔ مگر نہیں.... چیونٹی اور چیونٹیوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ دیکھو، باقی جتنی بھی سورتیں ہیں' حشرات الارض کے نام کی' وہ واحد ہیں۔ العنکبوت یعنی ایک مکڑی۔ نحل یعنی ایک شہد کی مکھی۔ لیکن چیونٹیوں کی سورۃ ''جمع'' کے صیغے میں ہے۔ پتہ ہے کیوں؟'' اس نے ابھی ابھی کی سوچی گئی بات بہت ایکسائٹڈ ہو کر کہی۔

وہ بہت دھیان سے سن رہی تھی' بے تابی سے بولی۔

''کیوں؟''

''کیونکہ اکیلی چیونٹی ہوتی ہی نہیں ہے۔ کبھی دیکھی ہے اکیلی چیونٹی؟ اونہوں۔ چیونٹیاں ہمیشہ اپنی قطار میں' اپنے خاندان کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اکیلی ہار جاتی ہے' پیر تلے مسلی جاتی ہے۔ اور جو اکٹھی ہوتی ہیں' وہ کبھی نہیں ہارتیں۔ علیشا اکیلی تھی' اور تم نے بھی اس کی مدد نہیں کی' تو وہ کیسے جیت سکتی تھی۔''

وہ خاموش ہوا' تو حنین بالکل چپ سی ہو گئی۔

''اگر وہ مجھ پہ پہلے بھروسہ کرتی تو میں اس کی مدد کرتی۔ مگر اب میں اس سے لاتعلق رہنا چاہتی ہوں۔''

''تمہیں ایسے ہی کرنا چاہیے۔''

دونوں پھر سے خاموش ہو گئے۔

''مگر وہ میری بیسٹ فرینڈ تھی' اب وہ نہیں ہے' پھپھو نے بھی مجھے اکیلا کر دیا۔''

''چلو' میں بھی تو ہوں نا تمہارا بیسٹ فرینڈ۔'' وہ نرمی سے مسکرایا تو حنین بھی مسکرا دی اور ذرا سی بھائی کے قریب کھسک آئی۔ کندھے سے کندھا ملا، حنہ کی چھوٹی انگلی سے اس کی چھوٹی انگلی ٹکرائی۔ ایک تحفظ کا احساس۔ کوئی نہیں ہوگا۔ تب بھی بھائی ہوگا۔ مرتے دم تک۔ آخری سانس تک۔ بھائی ساتھ رہے گا۔

اب پھر سے راہداری میں سے لوگ گزرتے جا رہے تھے اور وہ دونوں دیوار سے ٹیک لگائے' خاموش کھڑے تھے۔

❖❖❖

اتار لیتے ہیں دنیا کو یوں تو شیشے میں ..... اکیلے ہوں تو آئینے سے ڈرتے ہیں

جواہرات کار میں پچھلی سیٹ پہ آ کر بیٹھی تو ہاشم ساتھ براجمان اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے موبائل تھمایا اور ڈرائیور کے آنے کا انتظار کیا مگر جب وہ باہر کھڑا رہا تو وہ ہاشم کو دیکھے بنا بے تاثر سا بولی۔

''اس کو چلنے کا کہو' ہاشم!''

''ممی... آئی ایم سوری!'' اس نے جواہرات کے گھٹنے پہ رکھے' انگوٹھیوں سے مزین ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ فکر مند نگاہیں اس کے چہرے پہ جمی تھیں۔

''میں اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ سامنے دیکھتے ہوئے آنکھوں پہ سیاہ گلاسز لگا رہی تھی۔ ''ہم بہت دفعہ یہ بات کر چکے ہیں مگر تم آج بھی اپنے باپ کے گناہ مجھ سے چھپانے کی کوشش کرتے ہو' حالانکہ تم جانتے ہو کہ مجھے اس کی بیٹی کے بارے میں سب علم ہے۔''

''ممی... آئی ایم سوری!'' اس کا دایاں ہاتھ ہنوز' جواہرات کے گھٹنے ہاتھ پہ تھا۔

''اور اس لڑکی کی اتنی ہمت ہو گئی کہ وہ میرے شہر' میرے گھر پہنچ جائے مگر تم نے مجھے خبردار تک نہیں کیا۔ میں کیا کر لیتی؟ تماشا یا واویلا؟ کیا پہلے کبھی کیا؟ ہونہہ۔'' تلخی سے اس نے سر جھٹکا۔ ''تمہارے باپ کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ میں اس کی بیٹی کے بارے میں جانتی ہوں۔''

''ممی.... آئی ایم سوری!'' وہ مسلسل نگاہیں اس پہ جمائے' نرمی سے کہہ رہا تھا۔

''مجھے ہاشم اس لڑکی یا اس کے کسی مسئلے سے فرق نہیں پڑتا' میں عمر کے اس حصے نکل چکی ہوں جب فرق پڑا کرتا ہے۔ مجھے کوئی پروا نہیں اگر وہ تمہارے باپ کے کاروبار یا عزت کے لئے خطرہ نہیں ہے۔۔۔ اگر ہوئی بھی تو تم سنبھال لو گے....''

''ممی... آئی ایم سوری!'' وہ زیادہ نرمی اور زیادہ آہستہ سے بولا۔

جواہرات نے ایک ہاتھ سے گلاسز اوپر سر پہ چڑھائے اور آنکھیں گھما کر اسے خفگی اور دکھ کے ملے جلے تاثر سے دیکھا۔

''تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ کہ وہ ادھر آئی ہے؟ مجھے بے خبر کیوں رکھا؟ شاید میں جانتی ہوں کیوں۔ تم مجھے ہرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔'' کہتے ہوئے آنکھوں میں کرب کی سرخی ابھری۔

''ممی... آئی ایم سوری!'' اس نے ذرا سا ماں کا ہاتھ دبایا۔ جواہرات نم آنکھوں سے مسکرا دی' اور دایاں ہاتھ ہاشم کے اسی ہاتھ پہ رکھ دیا۔ آنکھوں کی خفگی، نرمی میں ڈھل گئی۔

''اٹس او کے۔ میں تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتی۔''

وہ بھی مسکرا دیا' پھر پیچھے ہوا' ڈرائیور کو واپس آنے کا اشارہ کیا۔

''مجھے واقعی اس لڑکی سے فرق نہیں پڑتا۔اس وقت تو صرف یہی خیال دل کاٹتا ہے کہ ہم دونوں نے زمر کی زندگی برباد کردی۔''

''مجھے اس کا افسوس ہے' مجبوری نہ ہوتی تو میں ایسا کبھی نہ کرتا۔'' وہ چہرے پہ ایک دم امڈ کر آتی تکلیف کو ضبط سے چھپا کر سیل فون نکالنے لگا۔

''مجھے ہر رات سونے سے پہلے زمر کا خیال آتا ہے۔وہ اس سب کی مستحق نہیں تھی ہاشم!''

''خیر اگر آپ کبھی عدالت میں اس کے مقابلے پہ ڈیفنس اٹارنی کے طور پہ پیش ہوتیں تو اپنی اس رائے پہ نظر ثانی ضرور کرلیتیں۔'' وہ بظاہر بشاشت سے کہتا مسکرا دیا۔ڈرائیور دروازہ کھول رہا تھا۔جواہرات نے گلاسز پھر سے آنکھوں پہ گرائے اور پرسکون سی ہو کر ٹیک لگالی۔

اب ساری دنیا اپنی مرضی کے رنگ میں نظر آرہی تھی۔

.....❖❖❖.....

ظلم پر سہی ہوئی' دکھ سے مگر دہکی ہوئی ..... ایسی آنکھوں ہی سے طوفان اٹھا کرتے ہیں

(دو ماہ بعد)

بڑے ابا کے لاؤنج کم ڈائیننگ روم میں دوپہر کے کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔صداقت جو موجودہ دن سے چار سال قبل کافی دبلا پتلا اور کم عمر سا لگتا تھا' تازہ روٹی لاکر ہاٹ پاٹ میں رکھ رہا تھا۔سربراہی کرسی کی جگہ بڑے ابا وہیل چیئر پہ براجمان تھے اور گاہے بگاہے دائیں ہاتھ' پہلی کرسی پہ سر جھکا کر لقمے توڑتی زمر کو دیکھتے تھے۔کچھ کہنے کے لئے لب کھولتے' پھر خاموش ہو جاتے۔اس کے آپریشن کو دو ماہ بیت چکے تھے اور اس کی رنگت تب سے اتنی ہی زرد رہتی تھی۔

دفعتاً میز پہ رکھا زمر کا موبائل تھرتھرایا۔اس نے آہستہ سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔''سعدی انگلینڈ موبائل کالنگ'' لکھا آرہا تھا۔بڑے ابا نے اسکرین نہیں پڑھی' اس کا چہرہ پڑھا' اور کالر آئی ڈی جان لی۔

وہ بے تاثر نگاہوں سے موبائل کو دیکھتی رہی اور پھر دوبارہ لقمے توڑنے لگی۔ان کو بے چینی ہوئی۔

''فون بج رہا ہے۔''

''میں کھانا کھا رہی ہوں۔'' لقمہ منہ میں رکھ کر' سر جھکائے اگلا توڑنے لگی۔فون خاموش ہو گیا۔ذرا سا وقفہ اور پھر بجنے لگا۔زمر نے پانی کا گھونٹ بھرا اور موبائل اٹھا کر کان سے لگالیا۔''ہیلو؟''

''السلام وعلیکم زمر....'' وہ رکا۔منہ میں کچھ ہونے کے باعث آواز ذرا فرق لگی تھی۔''زمر بول رہی ہیں نا؟''

''جی زمر پھپھو بول رہی ہوں۔'' سنجیدگی سے کہتی فون کان سے لگائے' وہ پانی گھونٹ گھونٹ پی رہی تھی۔بھوری آنکھیں میز پہ رکھے گلدان پہ جمی تھیں۔چہرہ زرد اور نقاہت زدہ لگتا تھا۔بڑے ابا بس بے چینی سے اس کو دیکھے گئے۔

''اوہ اوکے۔کیسی ہیں آپ زمر؟'' وہ صبح سویرے کی نیلے اندھیرے میں ڈوبی سڑک پہ واک کرتے ہوئے' موبائل کان سے لگائے' کافی لگاؤ اور اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہوں۔تم کیسے ہو؟''

''میں.... بالکل ٹھیک۔آپ کی درد کیسی ہے؟'' وہ سڑک کنارے ایک جگہ کھڑا ہو گیا کمر پہ ہاتھ رکھ کر کچھ محسوس کرنا چاہا۔

''درد نہیں ہے' یا پھر اب احساس نہیں ہوتا۔'' وہ گلاس رکھ کر روٹی کا نوالہ توڑنے لگی۔

''نہیں' اتنی جلدی تو درد ختم نہیں ہوتا۔'' وہ بے اختیار بول اٹھا۔''ابھی تو کچھ وقت مزید لگے گا نا زخم بھرنے میں۔بہت سے کام